نازیہ رزاق

ایک سودا گھاٹے کا

''اچھا۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''زہرہ باجی! میری شادی میں کتنے کم دن رہ گئے ہیں اور آپ ابھی تک نہیں آئیں۔ شادی کے فوراً بعد تو میں اور صائم اسپیشلائزیشن کے لیے امریکہ چلے جائیں گے۔ میں چاہتی ہوں آپ آئیں تو ہم دل بھر کر باتیں کریں۔''

''اچھا اور یہ جو روز فون پر اتنی باتیں کرتی ہو وہ کیا ہے؟'' ریسیور کے دوسری طرف سے مردانہ آواز آئی۔

''بھاء! سامنے بیٹھ کر گھنٹوں باتیں کرنا اور ہے اور فون پر اور...... اچھا آپ باجی کو فون دیں۔'' اس نے کہا۔

''لو بھئی اپنی باجی سے بات کر لو تم۔'' اس نے ریسیور زہرہ کو دیا۔

''کنواریاں والا'' میں غروب ہوتا سورج ارغوانی و نارنجی رنگ سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا جب

''زہرہ شہباز وسیر'' اپنی سکھی زرینہ کی شادی سے تھکی ہاری گھر لوٹی، وہ زہرہ تھی...... زہرہ۔

کسی عرب شاہ زادے کے محل میں آراستہ تمام کلیوں سے خوب صورت کلی...... زہرہ۔

کسی برف سے ڈھکی چوٹی پر کھلے اکلوتے پھول جیسی، زہرہ۔

قدیم یونانیوں کے مہ خانوں میں منہ تک بھرے مشروب کے مٹکوں سے زیادہ ساحرہ۔

کنواریاں والا کی سنہری زرخیز مٹی اس گواہی کے حق میں تھی کہ اس پر آج تک زہرہ سے زیادہ حسین کنواری نے پاؤں نہیں دھرا۔

''وقت کتنی جلدی گزر گیا ناں زہرہ باجی! سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ بلقیس باجی کی شادی ہو گئی، اذکار بھائی محکمہ ٹیکس میں بہت اچھی پوسٹ پر ہیں، بلقیس باجی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کنیز باجی بینک میں ـــ ہیں، اب تو زونل منیجر ہو گئی ہیں۔ جس دن باجی کو پروموشن لیٹر ملا اس دن ابا خوش تھے۔

خیر...... میں یہ بتانے آئی تھی کہ میری شادی ہے اگلے ماہ۔

''ہاں بولو۔'' زہرہ نے فون ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔

''اماں کہہ رہی ہیں کہ آپ آ جائیں تو فاطمہ کے لیے ایک دو رشتے ہیں، ان کو بھی فائنل کر لیں۔ فاطمہ کا بھی یہ ایم بی اے کا آخری سال ہے۔''

''اچھا دیکھو، میں جلدی آنے کی کوشش کرتی ہوں۔'' زہرہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا اور پھر ادھر اُدھر کی کچھ باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔

☆❁☆

and Much More
...em.com

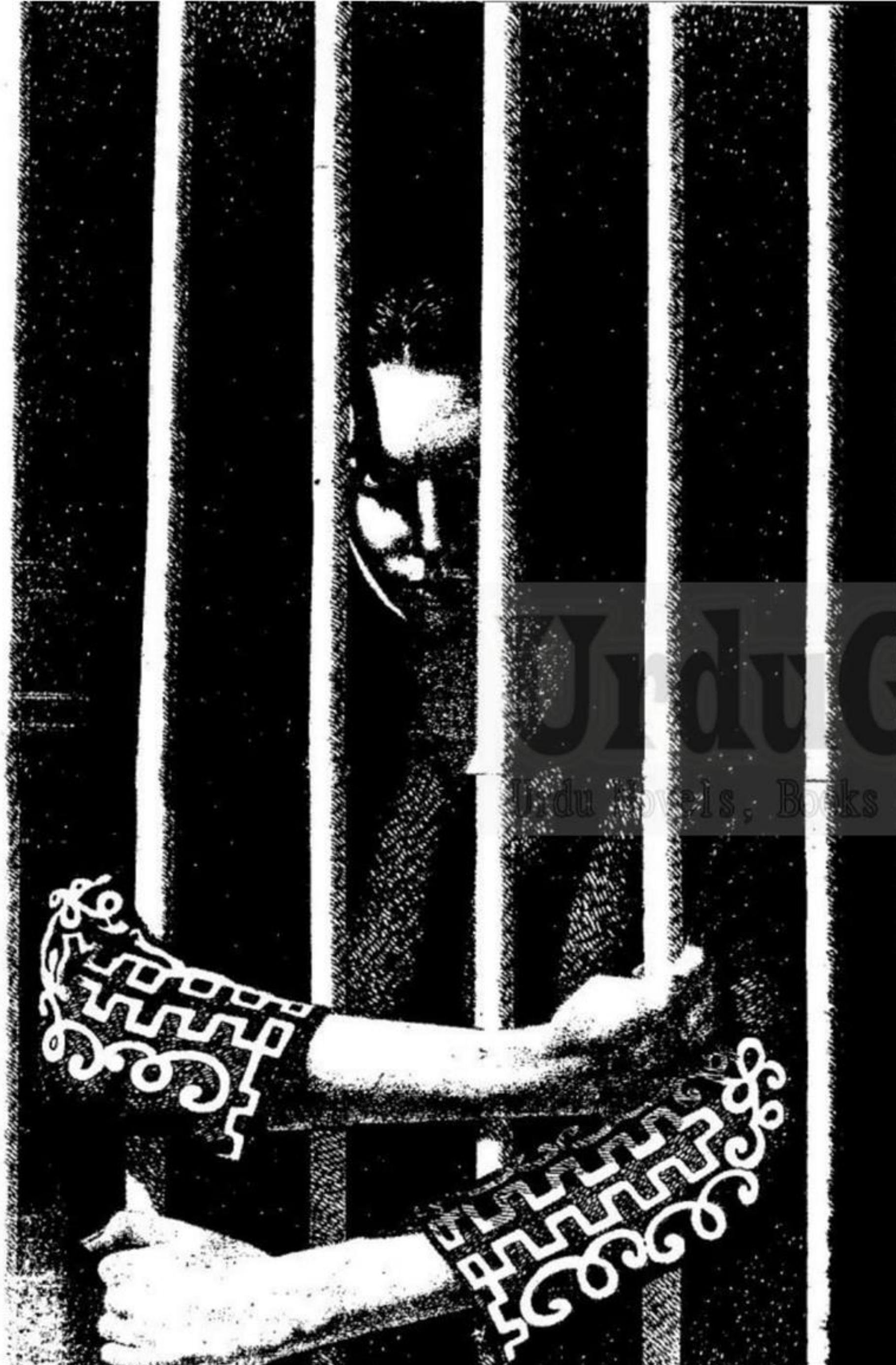

ناولٹ

''وقت کتنی جلدی گزر گیا ناں زہرہ باجی! سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہوگیا۔ بلقیس باجی کی شادی ہوگئی، اذکار بھائی محکمہ ٹیکس میں بہت اچھی پوسٹ پر ہیں، بلقیس باجی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کنیز باجی بینک میں ــــ ہیں، اب تو زونل منیجر ہوگئی ہیں۔ جس دن باجی کو پروموشن لیٹر ملا اس دن ابا خوش تھے۔

خیر...... میں یہ بتانے آئی تھی کہ میری شادی ہے اگلے ماہ۔

''ہاں بولو۔'' زہرہ نے فون ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔

''اماں کہہ رہی ہیں کہ آپ آجائیں تو فاطمہ کے لیے ایک دو رشتے ہیں، ان کو بھی فائنل کرلیں۔ فاطمہ کا بھی یہ ایم بی اے کا آخری سال ہے۔''

''اچھا دیکھو، میں جلدی آنے کی کوشش کرتی ہوں۔'' زہرہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا اور پھر اِدھر اُدھر کی کچھ باتوں کے بعد فون بند کردیا۔

☆❁☆

نازیہ رزاق

ایک سوگ دا سماں

''اچھا۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''زہرہ باجی! میری شادی میں کتنے کم دن رہ گئے ہیں اور آپ ابھی تک نہیں آئیں۔ شادی کے فوراً بعد تو میں اور صائم اسپشلائزیشن کے لیے امریکہ چلے جائیں گے۔ میں چاہتی ہوں آپ آئیں تو ہم دل بھر کر باتیں کریں۔''

''اچھا اور یہ جو روز فون پر اتنی باتیں کرتی ہو وہ کیا ہے؟'' ریسیور کے دوسری طرف سے مردانہ آواز آئی۔

''بھاء! سامنے بیٹھ کر گھنٹوں باتیں کرنا اور ہے اور فون پر اور...... اچھا آپ باجی کو فون دیں۔'' اس نے کہا۔

''لو بھئی اپنی باجی سے بات کرلو تم۔'' اس نے ریسیور زہرہ کو دیا۔

''کنواریاں والا'' میں غروب ہوتا سورج ارغوانی و نارنجی رنگ سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا جب

''زہرہ شہباز وسیر'' اپنی سکھی زرینہ کی شادی سے تھکی ہاری گھر لوٹی، وہ زہرہ تھی...... زہرہ۔

کسی عرب شاہ زادے کے محل میں آراستہ تمام کلیوں سے خوب صورت کلی...... زہرہ۔

کسی برف سے ڈھکی چوٹی پر کھلے اکلوتے پھول جیسی، زہرہ۔

قدیم یونانیوں کے مہ خانوں میں منہ تک بھرے مشروب کے مٹکوں سے زیادہ ساحرہ۔

کنواریاں والا کی سنہری زرخیز مٹی اس گواہی کے حق میں تھی کہ اس پر آج تک زہرہ سے زیادہ حسین کنواری نے پاؤں نہیں دھرا۔

UrduGem
Urdu Novels, Books and Much More
urdugem.com

شہباز وسیر کے گھر جس دن وہ پیدا ہوئی، مغرب سے سرخ گھٹا اٹھی، گاؤں کی بڑی بوڑھیوں نے جھاڑو چارپائیوں اور نواڑی پلنگوں کے نیچے دبا دی۔ ایک بوڑھی زہرہ کی ماں سے کہنے لگی۔

''نی تاجاں (زرتاج) نی کی آفت جمی (پیدا کی) اے، کنواریاں والا میں اج پہلی (پہلی) وار سرخ گھاٹ چڑھی اے توبہ توبہ۔''

مگر نومولود زہرہ نے بڑی بوڑھیوں کی زبان تالو سے چپکا دی۔ چمپئی رنگت پر شربتی آنکھوں اور عنابی ہونٹوں والی زہرہ کے ملکوتی حسن میں رہی سہی کسر تین کنواری پھوپھیوں نے پوری کردی۔ کوئی آٹے کی لوئی بنا کر چہرے اور بدن سے رواں صاف کرتی، کوئی ہاتھ اور کلائیاں ہاتھوں سے دباتی۔ پاؤں کپڑے سے باندھ دیے جاتے، ماتھے پر وزن دھرا جاتا۔ گزرتے وقت نے بھی اس کے حسن کو بڑھاوا ہی دیا، چلتی تو کنواریاں والا کی زمین اپنے دامن میں موجود ہر لعل کو اس کے پیروں کے اطراف انڈیل دیتی۔ رک جاتی تو فطرت اسے دیکھنے کو جھک آتی، ہنستی تو گاؤں کی بوڑھیاں منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگتیں۔ مناجات کی تعداد اور —— بڑھا دیتیں، ایسی ہی تھی وہ...... بے پناہ حسین، بے فکر، بے نیاز اور...... بے نصیب۔

☆❁☆

زہرہ نے ہاتھ بڑھا کر لکڑی کے پھاٹک کو مخالف سمت دھکیلا، وہ کھلتا چلا گیا۔ سامنے بہت بڑا آنگن تھا، آنگن کے بیچ و بیچ لگا سکھ چین کا گھنا درخت۔ پکی مٹی سے لیپا ہوا صحن جس پر سارا دن بھی لوٹتے رہو تو مٹی کا ذرہ نہ لگے۔ پھاٹک سے چند فرلانگ دور نصب ہاتھ والا نلکا اور غسل خانہ، جب کہ آنگن کے انتہائی سرے پر موجود، قطار میں بنے چار رہائشی کمرے، ان کے آگے برآمدہ، یہ ہی تھا وسیروں کا محل۔

زہرہ نے چہار اطراف نظر گھما کے معمولات کا جائزہ لیا، وہی یکسانیت، جیسے جوہڑ کا جمود زدہ پانی سڑاند پیدا کرتا ہوا۔ زہرہ سے چھوٹی بلقیس، پڑھائی کی شوقین، کتابوں کی رسیا، گاؤں میں موجود اکلوتے پرائمری اسکول سے پانچ جماعتیں پاس کرنے کے بعد گھر میں خود ہی اگلی جماعتوں کی کتابیں پڑھتی رہتی۔ زہرہ سے سات سال چھوٹی تھی، ابھی بھی وہ کوئی کتاب کھولے سکھ چین کے درخت کے نیچے رکھی چارپائی پر بیٹھی تھی۔

قریب ہی چوتھے نمبر والی سکینہ سیاہی کی دوات میں قلم ڈبو ڈبو کر تختی کو رنگتی جا رہی تھی۔ تیسرے نمبر کی کنیز جو کہ چوتھی میں تھی، سب سے چھوٹی فاطمہ کے ساتھ بیٹھی پانچ عدد ٹھیکریوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

تاجاں سرسوں کے تیل میں بینگن اور کالے چنے ڈالے تیز تیز ڈوئی چلاتی، ہانڈی بھون رہی تھی۔ پاس ہی بیٹھی نسیم چاچی بڑی سی مٹی کی پرات میں ہل ہل کے آٹا گوندھ رہی تھی جب کہ مہر بانو پھوپھی تنور میں بھڑ بھڑ چٹختی لکڑیوں کو مضبوط لکڑی سے نیچے کیے جاتی۔ سکھ چین کے نیچے بلقیس کے پاس ہی شہر بانو جسے وہ سب سے بڑی پھوپھی کہتی تھیں، بیٹھی قرآن پڑھ رہی تھی۔ سارا دن کھیتوں میں بھنڈی توری توڑنے سے اس کے ہاتھوں پر گہرے زخم ہو گئے تھے مگر گھر آتے ہی وہ اپنے رب سے ہم کلام ہونا زیادہ پسند کرتی تھی۔

اور چھوٹی پھوپھی زر بانو یقیناً دودھ دوہنے گئی ہوئی تھی، گھر کا اکلوتا سرپرست ارباز وسیر تو کئی کئی دن گھر میں قدم نہ دھرتا۔ وہ مرد تھا، اوپر سے ذات کا وسیر، اس کی سیری کے لیے یہ ہی کافی تھا۔ وہ ہولے ہولے چلتی مہر بانو کی طرف گئی، بچپن سے ہی ہر دکھ سکھ کی سانجھ مہر بانو پھوپھو سے ہی تھی۔

''آ گئی میری دھی۔'' مہر بانو اپنے ماتھے پر پسینہ دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

''مڑ گئی جنج (بارات) تیری سکھی کی؟''

''آہو جنج گئی...... ہائے پھوپھی! تجھے کیا بتاؤں جنج کے ساتھ آئی کنواریوں نے ایسے تیز رنگ پہنے کہ دیکھنے والے اندھے ہونے کو ہو گئے۔ پر ''وری'' (بری) بوت چنگی تھی، ماتھا پٹی چڑھائی ہے جینا کو۔ جینا بھی آج منہ دھو دھلا کے گزارے لائق لگ رہی تھی، ویسے تائی نے آج زردے میں میٹھا بہت ہی گھٹ رکھا بالکل سواد نہیں آیا۔''

وہ جو شادی کی روداد سنانا شروع ہوئی تو چھوٹی بہنیں بھی تنور کے گرد جمع ہو کر سننے لگیں۔ چھوٹی پھوپھی دودھ والا گڑوا (برتن) نیچے رکھ کے رومال سے ڈھانپ کر اپنی دھوتی سمیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''نیوندرا (نیوتا) کتنا دِتا ای؟''

تین سو...... گن کے پورے۔ چاچی حیران، خالہ بختاں صدقے واری۔ سندھوؤں کی نیلو بڑی تھانیدارنی بن رہی تھی دو سو دے کے، یہ اماں اتنی چپ کیوں ہے؟'' بالآخر ماں کی خاموشی چبھی۔

''کجھ نئیں۔'' اماں کا انداز بڑا کسیلا سا۔ تھا ڈوئی زور سے سالن میں گھمائی، سالن سوں سوں کی آواز کے ساتھ احتجاج کرنے لگا۔ نسیم چاچی چپکے سے اٹھی اور اندر سے کچھ سامان لا کر چارپائی پر ڈھیر کر دیا۔ ایک کمبل، زیتون کے تیل کا ایک بڑا گیلن، دو استریاں، ایک جوسر۔

''بلے بھئی بلے آ گئی ابا کو ہماری یاد۔'' وہ اشتیاق سے سامان دیکھنے لگی۔

''یاد نہیں آئی اسے، یاد کروایا ہے۔ مجھ بدبخت کو کہ میں نے پانچ دھیوں کو جنا ہے، اری میں کیا کروں ان کمبلوں، استریوں کا۔ کون سا اس گھر سے کسی کا داج (جہیز) جانا ہے۔ یہ سب بھیجتے ہوئے وہ کیوں پُل (بھول) جاتا ہے کہ اس کی دھیاں، کنواریاں والا، ساری کی ساری بدبختی ماتھے پر لکھوا کے آئی ہیں۔ ہائے نی زہرہ تیرا حسن وی اس پنڈ سے سیاہی نہ مٹا سکا۔''

اماں اپنا میلا سا دوپٹہ منہ پر ڈال کی سسکنے لگی، مہر بانو تنور میں لکڑیاں ہلانے لگی، کندھے سے رگڑ کے آنسو صاف کیا۔ چھوٹی پھوپھو دو بالشت کی جھاڑن سے زمین رگڑنے لگی۔ زہرہ بے بس سی ہوئی۔

''اماں تُو تھکتی نہیں رو رو کے، ویں وروں (بیس برس) سے رو رہی ہے۔ تو یہ بات وی چنگی طرح جانتی ہے کہ کنواریاں والا کی ہر کنوار کے بخت ایسے ہی سیاہ ہیں۔ بس ہن تُو چھڈ دے اس غم پر رونا، خوش رہا کر۔ اس وار کے سیال (سرما) میں یہ کمبل تُو مینوں نکال دینا۔ جیہڑے دو پچھلی بار آئے تھے وہ نکیوں کو (چھوٹیوں کو) اور یہ جو بتالی ہزار آئے ہیں ناں اس کا تو اور میں کل وڈے شہر سے سودا لاتے ہیں دو تن مہینے دا۔ بوتا سارا خوشبوئی صابن دی، داج تو بنانا نہیں ان پیسوں سے، خوشبوئی صابن کا چاہ تو پورا کریں ناں کیوں فاطمہ؟'' وہ کھلکھلائی، فاطمہ کو پیار کیا، گھڑے کا پانی پی کر پرانداہ جھلاتی کمرے میں گھس گئی۔ ادھر شہر بانو نے قرآن پاک سنہری غلاف سے ڈھانپتے ہوئے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

''یا ربا تُو رحیم تُو کریم...... انت کردے اس اندھیر کا۔ جے اے عذاب ہے تو اٹھالے اس عذاب کو، جے اے پرکھ ہے تے پورا کردے اسے۔ ان مسلمانوں کے دل دی مسلمان کردے مولا! میری زہرہ، میری بلقیس، کنیز، نکیاں مولا اے رنج اوہناں کوں ناں دیویں......''

شہر بانو کے جھریوں بھرے چہرے پر آنسو لہریں بناتے، باغی ہوئے اپنی حدود پیچھے چھوڑتے جاتے۔ ''کنواریاں والا'' کے ہر گھر کی کوئی نہ کوئی کنواری بوڑھی افق پر نظریں ٹکائے، کسی معجزے کی منتظر، ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں رب کے حضور عرض لیے کھڑی تھی۔

ایسے میں شبیر لوہار کے ہتھوڑے کی آواز ہر گھر میں سنی جاتی۔ دادو کھوجی کی گندم پیسنے والی چکی کی ٹک ٹک بین کرتی محسوس ہوتی اور...... دور گندم اور

www.urdugem.com

السلام علیکم

ہمیں اپنے بلاگز (ویب سائیٹ) BOOKS BANK ,FAMOUS URDU NOVELS

PRIME URDU NOVELS, FREE URDU DIGEST, READING CORNER

کے لئے ناول رائیٹرز کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم،

آرٹیکل، شاعری پوسٹ کروانا چاہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کرکے ہمیں بھیجیں۔

آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر پوسٹ کردی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے انباکس میں رابطہ

کریں یا ای میل کریں یا ہمارے گروپ اور پیج پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ یا واٹس ایپ پر بھی کانٹیکٹ کرسکتے ہیں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUESSION

مکئی کے کھیتوں میں بیٹھے گاؤں کے مرد تاش کے پتے پھینکتے ایک دوجے کو ماں بہن کی گالیاں دیتے' ٹھٹھے لگاتے رہتے۔ ملائکہ اداس نظریں اس خطے پر جمائے ''حکم'' کے منتظر رہتے۔

رات اپنے پنجے تیز کیے باقی ماندہ روشنی پر حملہ آور ہوتی اور کامیابی لہولہان ہوئی اس کے قدموں سے لپٹ جاتی۔

☆❁☆

اس خوب صورت پارک کے کونوں کھدروں میں چھپا اندھیرا دبے پاؤں وہاں موجود لوگوں کے پہلو میں آن بیٹھا تو وہ پہلو پر پہلو بدلتی سامنے گراؤنڈ میں موجود اپنے شوہر کو فٹ بال کے حصول کے لیے بے تحاشا دوڑتے ہوئے دیکھتی رہی۔ کھیل کے دوران جب کوئی گرتا تو دوسرے کھیل چھوڑ کے اس کے چھکے چھڑانے پر مُصر نظر آتے۔ کھیل ختم ہوا، اس کا شوہر رومال سے چہرہ رگڑتا اس کی جانب چلا آیا۔

''آؤ چلیں۔'' وہ آگے پیچھے چلنے لگے۔

''کیسا کھیلا میں نے؟''

''ایویں اتا ٹیم ضائع کیتا۔'' رائے کے بجائے تبصرہ کیا گیا، وہ ہنس دیا۔ ایسے ہی بے مقصد سر کو جھٹکنے جیسے ہنسی۔ تھوڑی رفتار گھٹا کے قدم ہم سفر کیے، گردن ترچھی کر کے اس کے نقرئی مغرور حسن کو ایک بار دیکھا پھر بار بار، پھر سے ہنسا۔

''تُو ہنس کیوں رہا ہے؟'' تنک کے سوال کیا۔

''ڈر لگ رہا تھا۔'' دھیمے لہجے سے سوال کیا گیا، مقابل کی آنکھوں کے حفاظتی بند ٹوٹنے لگے۔

ہم سفر نے خاموشی سے ہاتھ تھام کے اپنے ہونے کا یقین دلایا، ہاتھ ہمیشہ کی طرح چھڑا لیا گیا۔ بدن کی لرزش واضح ہوئی، وہ بغور دیکھ کے رہ گیا۔

''ارے جی پی یہ تم ہو؟'' خوش کن آواز اس سے بھی دلکش شخصیت، خوب صورت اور طرح دار۔

''جی میڈم! کیسی ہیں آپ؟''

''اللہ کا شکر، یہ کون ہیں؟''

''میری مسز ہیں میڈم!'' تعارف ہوا۔

''مائی گاڈ، کس قدر گارجیئس ہے یہ، کہاں سے اٹھا لائے ہو؟''

'گارجیئس' نے زرد رنگ کے ساتھ ان میڈم اور مخاطب جے پی کو دیکھا۔

''دیکھو جے پی! تم ابھی مجھ سے پرامس کرو کہ کل تم لوگ ڈنر ہمارے بنگلے پر کرو گے۔''

وہ تذبذب کا شکار نظر آیا پھر مانتے ہی بنی، پھر گھر کو چل دیے۔ کوارٹر نیم تاریک تھا، کھانا کھا کے دونوں اسی لاتعلقی سے سونے چل دیے۔ باہر اندھیرا سیاہ پوشاک پہنے اک قدرتی دھن پر جذب کے عالم میں فضا میں تیرتا پھر رہا تھا۔

☆❁☆

''چاچی کہتی ہے محبت تمباکو کے پودے پر اُگنے والے ست رنگ پھول سے زیادہ ساحر ہوتی ہے، یہ بھی ذہن کو ایک ہی نقش پر جما دیتی ہے۔ آنکھیں بند کروا دیتی ہے اور بند آنکھوں کے اس پار ایک ہی چہرے کو جما دیتی ہے مگر میں نے آنکھیں کھلی رکھیں اور ذہن تابندہ۔ سارے حساب کتاب کیے، جمع تفریق، ضرب، تقسیم تب میں نے جانا محبت حسب خواہش نتائج بھی دے سکتی ہے یا شاید ہم لے سکتے ہیں۔

پر سارے حساب کتاب کے باوجود میں یہ نہ جان سکی کہ محبت کوئلے جیسی بھی ہوتی ہے اگر یہ حسب خواہش نتائج دے بھی دے تو بھی اپنے ہونے کے نشان چھوڑ ہی جاتی ہے۔ روح پر سیاہ جلتے ہوئے نشان، میرا سودا تو پورا ہو گیا پر محبت کی تجارت میں تو نقصان ہی ہوا ناں حالانکہ میں تو سارا حساب کر کے بیٹھی تھی، جمع تفریق......

☆❁☆

''زہرہ نی زہرہ...... اٹھ جا۔ کیوں اپنے نصیبوں کی طرح سوتی رہتی ہے۔''

تاجاں نے دیسی کھیس کھینچتے ہوئے اسے جھنجوڑا۔ زہرہ نے مندی مندی آنکھیں کھولیں۔ روشنی کی لکیر نے اپنے نوکیلے سرے اس کی آنکھوں میں گاڑ دیے تو اس کی آنکھوں کے شربتی رنگ میں سنہری تاریں جا ملیں، تاجاں نظریں چراتے ہوئے بولی۔

''اٹھ میری دھی، شاواش چھیتی کر (جلدی کر)۔ مہر بانو دے نال باڑے ہو آ میری دھی۔''

وہ زہرہ کو کندھوں سے تھام کر بٹھاتے ہوئے خود چوکی پر بیٹھ جلدی جلدی پیڑے بنانے لگی۔

''میں نہ جاؤں باڑے، مجھ سے نئیں تھاپا جاتا گوبر آخ، بلقیس کو بھیج دے اماں۔'' وہ منہ بسور کے بیٹھ گئی۔

''تو کج نہ کرنا بس اوپلوں کو لین سے (لائن میں) رکھتی جانا۔''

مہر بانو کے یقین دلانے پر وہ چپل گھسیٹتی، منہ پر چھپاکے مار کے پھوپھی کے پیچھے چل دی۔ جاتی گرمیوں کے دن تھے، گاؤں کے بچے آگے پیچھے بھاگتے، ایک دوجے کو دھکے لگاتے، سینوں سے سپارے لگائے مسجد کے احاطے سے باہر نکلتے۔ انہیں گھر جانے کی جلدی ہوتی کہ ان کی مائیں پیڑوں میں تازہ مکھن ڈال کے خستہ روٹیاں بناتیں جنہیں وہ دہی میں ڈبو ڈبو کے گھنٹوں میں کھاتے۔ (روزانہ اسکول جانا بچوں کے لیے کیسا عذاب ہوتا ہے، یہ کوئی ان سے پوچھے)۔

باڑے کا بڑا سا احاطہ دس، بارہ چھوٹے بڑے جانوروں سے بھرا ہوا تھا۔ زہرہ کے باڑے کے ساتھ سندھوؤں کا باڑا تھا، ان کے باڑے سے بھی بڑا اور ایک بہت پرانا برگد کا پیڑ' اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے۔ برگد کا درخت زہرہ کو کوئی سبز پوشاک پہنے، سر نیہوڑائے بیٹھا بزرگ محسوس ہوتا۔ زہرہ کا باڑا بھی اس بزرگ کی سبز پوشاک تلے رہتا۔

زہرہ نے بھوسے پر کپڑا ڈالا اور کسل مندی سے وہیں بیٹھ گئی اور نظریں اوپر برگد کی شاخوں پر ٹکا دیں، جہاں بگلے چونچوں سے اپنے پیروں کی انگلیاں کریدتے، پَر رگیدتے، کوّے برگد کا لیس دار پھل، بھنبھوڑتے اس کی طرف اچھالتے۔ زہرہ کو کچھ بھی سکون نہ دیتا تھا، جب سے شعور کی پہلی منزل پر قدم رکھا، سکون طویل رخصت پر چلا گیا۔ وہ سوچتی نہیں تھی، سوچنا چاہتی بھی نہیں تھی مگر سوچیں اس پر وارد ہوتی تھیں۔ وہ ان لوگوں میں سے نہ تھی جو بند دہانے والی گپھا میں قید موت کی دعا کرتے ہیں بلکہ وہ تو ان لوگوں میں سے تھی جو گپھا کے تہہ در تہہ اندھیروں میں روشنی تلاش کرتے اپنی انگلیاں گھسا لیتے ہیں، آنکھیں پھوڑ لیتے ہیں، چاہے روشنی ملے یا اندھیرا ہی مقدر ٹھہرے، وہ رکتے نہیں۔

زہرہ نے گردن گھما کے پھوپھی کو دیکھا جو خود ہی اوپلے بناتی پھر انہیں ترتیب سے رکھتی بھی جاتی۔

''پھوپھی! جوانی میں تو بھی بہت خوب صورت ہوگی، سنیہے (پیغام) تو بڑے آئے ہوں گے تیرے لیے۔''

اس کی بات پر مہر بانو کے ہاتھ رکے پھر اور تیزی سے چلنے لگے۔

''بتا ناں نئیں تو میں چلی، زینو کی طرف۔''

''ناں، ناں زہرہ! کدھرے نہ جاویں، یہیں بیٹھ جا۔ جو پوچھے، بتاؤں گی۔''

''نجانے یہ تنہا لوگ تنہائی سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں۔'' پھوپھی ہولے ہولے ماضی کے پنے کھولنے لگی۔

''آئے سی بہت لاگ میرے لیے وی، پر تُو تو جانتی ہے، کنواریاں والا کی ریت۔ اے ریت رواج کج نئیں دیکھتے، نہ کسی کنوار کا حسن، نہ کسی ماں باپ کی مجبوریاں...... میری پھوپھی کے زمانے تک تو کنواریاں والا صرف 83 چک ہی تھا فیر (پھر) نجانے کیا ہوا؟ وہ بڑے مرشد ہیں ناں اعظم شاہ سرکار، ان کی پھوپھی بڑی کرامات والی بی بی تھی۔ اماں بتایا کرتی تھیں کہ ان کی شادی قرآن سے کردی

www.urdugem.com

تب انہوں نے اس پنڈ کی آنے والی نسلوں کے لیے بددعا کی تھی۔

لوگ تو یہاں تک بتاتے ہیں کہ وہ عیسائیوں والے قبرستان میں بال کھولے کوئی عمل کرتی دیکھی گئیں۔ سارا پنڈ روتا بی بی کے در پر دو دن سوالی رہا پر حکم صرف اتنا ملا کہ صرف ایک دادے دی اولاد ہی دیا کرسکدی ہے، اور کسی سے نہیں۔ لو وہ دن اور آج کا دن، جو دو چار کڑیاں اپنے چاچے، تائے کے گھر بیاہی گئیں بس رہیں باقی سب کنواریاں۔ ہن تے کنواریاں والا کے ہر گھر وچ ہر عمر دی کنواری تھی اے...... ادھر پلی پر جو کمہار رہندے (رہتے) ہیں ناں انہوں نے کردیا بیاہ...... اپنی کڑی دا چار بھرا (بھائی) سی کڑی کے، اک اک کر کے سب ختم۔ مال، ڈنگر، زمین سب جل گیا، تب سے لوگوں نے پکی توبہ کرلی اور یہ پانچ سو گھروں والا 83 چک گھٹ گھٹ کے 150 گھروں کا ''کنواریاں والا'' رہ گیا، سب اٹھ گئے اس بدبخت زمین کے ٹکڑے سے۔

ویروں کے منڈے تو ہوتے ہی کم ہی ہیں یہ سندھوؤں کے ہوتے ہیں سات سات منڈے، کتنی ہی کڑیاں نمٹ جاتی ہیں...... ہک ہاہ۔''

''ناں پھوپھی! میں نئیں من دی اس ہیر رانجھے کے قصے کو۔ اسے ختم ہوئے تو چار نسلیں گزر گئیں، ہن تے بس اک ذرا سا شک ہی رہ گیا ہے۔ مینوں تے لگدا ہے اس پنڈ دے مرد ہی ناکارہ ہوگئے ہیں، اے چاہندے ہی نئیں کڑیوں کو ویاہنا۔ کنواریاں ان کے گھر سنبھالتی ہیں، ڈھور ڈنگر سنبھالتی ہیں اور زمینوں کو بٹوارا وی نئیں پڑتا، نہ داج کی فکر پھر آنکھ مٹکے کو وی مفت کا مال ہر دم موجود......''

وہ تلخی میں وہ بات کہہ گئی جو بڑے بڑوں کے منہ پر ڈالے گئے، بے حسی کے تالے میں بند رہتی تھی ہمیشہ سے۔ آخری جملہ بڑبڑا کے رہ گئی، پیش نظر اپنے خاندان کے مرد تھے، جن کی حریص نظروں کے مطالبوں نے زہرہ شہباز ویر کو زہر بھرا بلبلا بنادیا تھا جو ذرا سا چھونے پر بری طرح پھٹ سکتا تھا، پیش نظر اپنا باپ بھی تھا جو دبئی کی ایک بہت بڑی کورین کمپنی میں ملازم ہونے کے باوجود اپنی تین کنواری بہنوں اور پانچ کنواری بیٹیوں کو بھلائے وہاں دوسری شادی رچا چکا تھا اور چچا بے اولاد اور بے فکرا ہونے کے ساتھ انتہائی بے دید تھا۔ اس کے قصے کبھی گاؤں کی کسی عورت کے ساتھ سنے جاتے تو کبھی کسی۔ پھوپھی اس کی باتوں سے گم صم سی ہوگئی، زہرہ اٹھ کے باڑے کی ڈھائی فٹ دیوار کے ساتھ ٹہلنے لگی۔ سندھوؤں کا باڑا خاموش تھا صرف اندرون خانے سے چارہ کاٹنے والی برقی مشین کی آواز سارے میں گونج رہی تھی، کچھ دیر بعد وہ باہر آیا۔

ذراور سندھو کٹی ہوئی برسیم جانوروں کے آگے ڈالتے ہوئے پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ وہ بے نیازی سے اپنی قمیص کے دامن سے چہرہ رگڑنے لگا، زہرہ کی آواز پر چونکا۔

''اوئے شپاہیا (سپاہی) کتنا کم (کام) کرتا ہے تُو، چھٹی پر آتا ہے تو چھٹی کیا کرناں۔ یہ سب جازی سے کہا کرناں۔'' وہ بڑے مزے سے دیوار پر دونوں بازو ٹکائے تبصرہ کرنے لگی۔ وہ ابرو اچکائے پھر سے کمرے میں گھس گیا، اسے ویروں کی یہ دبنگ سی نک چڑھی جادوگرنی سخت زہر لگتی۔ بچپن سے ہی وہ اس سے خار کھاتا۔ زہرہ منہ بنا کے دیوار سے ہٹ گئی' ذراور کو تپانا اسے بڑا مزہ دیتا تھا۔ وہ گاؤں کا پہلا فوجی جوان تھا، چھ ماہ بعد کچھ ہفتوں کے لیے آتا، اس میں سے بھی آدھے اپنے مامے کے گھر ادھر شہر میں ہی گزار آتا۔

''نی زہرہ نی، پھیتی کر۔ خالہ بختاں ولیمے پر جانے سے پہلے تیری مٹھائی دے گئی تھی، چل آ کھالے پہ چل کے کھاتے ہیں۔''

زینب بشیر عرف زینو، زہرہ کی اکلوتی گوڑھی سہیلی، شہباز ویر کے چچیرے بھائی کی بیٹی۔ زہرہ پھوپھی سے پوچھتی باہر کو دوڑی۔

اب وہ تیز تیز چلتی، آبادی کو پیچھے چھوڑتی سر سبز پگڈنڈیوں کو روندتیں، امرودوں کے اس جھنڈ کی طرف تھیں جس کے درمیان سے پکا نہری پانی والا نالہ گزرتا تھا۔

''زہرہ! تجھے اک گل بتانی تھی۔''

زہرہ نے دیسی گھی سے بنی بالوشاہی کا ٹکڑا منہ میں رکھا ہی تھا کہ زینو نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''ناں تے پہلے کون سا تو کبھی کوئی بات بتانے سے رہی ہے، بتا۔''

''زہرہ! تیرا چاچا ناں آج کل گامے میراثی کے گھر کے بڑے چکر شکر کاٹ رہا ہے۔ گامے کی تبسم سولہویں سال چڑھ گئی ہے ناں، جوڑ کوئی ہے نئیں اس دا۔ کنواری رہے گی ہماری طرح، مجھے تو پہلے ہی پتا تھا کہ یہ کڑی ضرور کسی ویر، سندھو یا چٹھے کے ہتھ چڑھے گی۔ اس مرجانی کو وی بڑا شوق تھا سرمے لگانے اور ونگاں (چوڑیاں) چڑھانے کا۔ زہرہ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کنواری بی بی ان مردوں کے لیے بھی کوئی دعا کر جاتی ناں، ہک ہاں۔ کڑیوں کی تو ساری جنڈری رل جاتی ہے اس دعا کو توڑ چڑھاتے چڑھاتے۔'' زینو کا رونا وہی تھا مردوں کی دیدہ دلیری، عورت کی بے بسی۔

''چل جان دے زینو! کوئی نئیں۔ سچی بتاؤں مینوں لگدا ہے کوئی دعا شعا نہیں، ایویں کسی نے اڑادی اور ہر کوئی لگ گیا دعا کا بت بنائے اسے پوجنے۔ چل مان لیا کہ یہ کوئی دعا تھی بھی، تو بھی میں نہیں مانتی ایسے عذابوں کو عقیدت۔ جے میں مرد ہوتی ناں زینو! فیر دیکھتی کہ کون سی دعا کسی کڑی کے خوابوں کی سواہ (راکھ) ان مردوں کے ہاتھوں میں دیتی ہے کہ لو اڑاؤ اسے، کڑی کے پیدا کرنے والوں کے سروں میں...... ہنہ عقیدت دعا۔''

''اللہ بڑا عادل ہے وہ لاٹھی لے کے ظالم کی کمر نہیں توڑتا بلکہ وہ بڑے انصاف کے ساتھ مظلوم بستیوں میں باغی پیدا کردیتا ہے پھر وہ باغی ظلم کی سب ہی روایتوں کی کمر توڑ ڈالتا ہے۔ باغی نسلوں کی تقدیر بدل دیتا ہے۔''

☆❁☆

''جب بات نسلوں کی بقا پر آجائے تو اخلاقیات کی ساری کتابیں چوراہوں میں رکھ کے جلا دی جاتی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بقاء پر آئی تو دنیا کی مہذب سے مہذب قوموں نے دشمن کے گھروں میں گھس کے ان کے گلے کاٹ ڈالے، ان کی آنکھوں میں میخیں گاڑ دیں، ان کی کھالیں اتر والیں۔ یہ عزت حرمت کی باتیں صرف محلوں میں بیٹھ کے جھونپڑی والوں کے لیے کی جاسکتی ہیں۔ جس کا جتنا مضبوط بھرم اس کا اتنا اونچا شملہ۔ آپ کا یہ فیصلہ قابل تحسین ہے مسز جے پی! تاریخ بدلنے کو یہ قربانی تو بہت چھوٹی ہے۔ آج دنیا جن شخصیتوں کے بول ہیروں میں جڑوائے اپنے محلوں میں ٹانکے پھرتی ہے ناں، یہ ہی لوگ اپنے زمانے کے کنٹرووَرشل تھگر تھے۔ سقراط نے زہر کا پیالہ پیا، منصور حلاج سولی چڑھا، گلیلیو نے بے عزت اندھے کی زندگی گزاری کس لیے؟ صرف اپنے نظریات کے بچاؤ کے لیے۔ وہ فنا ہوگئے مگر ان کے وہ نظریات آج بھی زندہ ہیں کیونکہ ان نظریات میں بقا تھی، معاشرے کی، انسان کی بقا...... کبھی کبھی کچھ صحیح کاموں کو غلط انداز میں کرنا پڑتا ہے اور وقت خود آپ سے ایسا کرواتا ہے، ویسے بھی زندگی کوئی تین گھنٹے کی فلم نہیں ہے کہ دو گھنٹے پچپن منٹ بعد ہر چیز اپنی اصلی سمت کو لوٹنے لگے اور تین گھنٹے مکمل ہونے پر ہیپی اینڈنگ کا بگل بج اٹھے' ڈیس وائی وی ایپری شیٹ یو...... زندگی کو ایک سسکتے غار سے باہر نکالنے کے لیے۔

دی ایپری شیٹ یو......

ہر اس لہر کے مخالف جانے کو، جو لمحہ بہ لمحہ زندگی

www.urdugem.com

کو تاریکی کی جانب گھسیٹتی رہتی ہے، ویری ایپری شیئٹ ——— یو...... ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ وہاں موجود پچیس تیس افراد کی آنکھوں میں ان دونوں کے لیے حوصلہ افزائی کا پیغام مدغم تھا اور وہ دونوں تشکر سے مسکرا رہے تھے۔

☆❀☆

"نہ تو نے جواب مانگا نہ چاہا، پر کوئی کیا کرے جی؟ یہ محبت چندری بڑی 'جواب دہ' شے ہوتی ہے۔ کبھی دنیا، کبھی محبوب اور کبھی اپنے آپ کے آگے بھی جواب دہ۔ سوچا تجھے بتادوں کوئی تو ہو جو سمجھے کہ میں "ہری چگ" نہ تھی، کوئی تو ہو جو یہ جانے کہ میں تو فقط طوفان کا رخ موڑنے کی چاہ میں مٹ گئی۔

مگر طوفانوں کا رخ موڑنا آسان نہیں ہوتا، تمہاری وہ میڈم جو بڑی چاہ سے تمہیں جے پی کہتی تھی، یہ مجھے اسی نے بتایا کہ "سودا" بڑا مشکل ہے۔ پھر میں سمجھی کہ جب میں نے محبت کا ہاتھ تھام کے دلبر یار کی تو محبت کا چہرہ ہی بدل گیا اس کے چہرے پر بڑا سوداگری لکھا ہوا تھا...... کیوں؟ بتایا ناں کہ پورا حساب کتاب کیا تھا میں نے اور پھر محبت میں اتنا جمع تفریق ہو تو وہ پھر سوداگری ہی رہ جاتی ہے۔ میں نے بھی سودا کرلیا محبت کا، آج سوچا تو جانا محبت ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر چلے یا نہیں، پر یہ دل پر پکی مہر، ضرور لگا دیتی ہے۔ دل کے جس حصے میں یہ آنکڑا لگا کے بیٹھ جائے تو پھر وہ جگہ کسی عامل کے چلّہ والے دائرے جیسی ہو جاتی ہے، جادو زدہ۔ کسی اور کے لیے شجر ممنوعہ جیسی، تو ایسی ہی سحر طراز محبت کرلی میں نے، مجھ جیسی سوداگرنی نے......

☆❀☆

موسم بدلا، ہوائیں سرد ہوئیں، کنواریاں والا نے جاڑا اوڑھ لیا۔ ہر طرف جامد کہر زدہ خاموشیاں پھیلتے ہونے لگیں۔ ماحول کے سکوت میں پرندوں کی چہچہاہٹ سے پڑنے والی پھوٹ بھی کپکپانے لگی، بوڑھی کنواریوں کے لیے راتوں کی لمبائی روز حشر جتنی ہونے لگی۔ زہرہ اپنی خالہ، جو قریبی شہر میں رہائش پذیر تھیں، کے ہاں سے آئی تو سوغات کے طور پر وہاں سے طرح طرح کی کہانیاں لے آئی جو وہ بلاناغہ صبح دوپہر شام اپنے گھر والوں کو سنائی رہتی۔

ابھی بھی تاجاں اور شہر بانو اپنی ٹانگ کے نیچے درانتی دبائے ساگ کاٹ رہی تھیں۔ نسیم چاچی لحاف کھولے اس کی روئی کو ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے کررہی تھی۔ مہر بانو بھی ساتھ لگی ہوئی تھی جب کہ شہر بانو اپنے دل پسند مشغلے کے ساتھ مصروف تھی یعنی دو بالشت لمبی جھاڑو سے زمین کھرچ رہی تھیں، کون سی ایسی گندگی تھی جو صاف ہی نہ ہونے پاتی۔ زہرہ کچے ساگ کے ڈنٹھل کو کچر کچر دانتوں میں چباتے ہوئے نیا قصہ لے بیٹھی۔

"مہر پھوپھو! ادھر خالہ کے ہمسائے کی ایک کڑی کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی۔" سب کی ناپسندیدہ نظر اس کے جواب میں بیان کو قابل قبول بناتے ہوئے بولی۔

"وہ اس لڑکی کا بھائی اس کی شادی کسی بوڑھے سے کردار ہا تھا زبردستی، خالہ بولی اچھا کیا جو بھاگ گئی۔ دوسری صورت میں بھی تو ساری زندگی بھاگتے ہی رہنا تھا۔ کبھی میکے اور کبھی سسرال...... خیر خالہ نے اک گل بڑے پتے کی کردی، بولی، لو بھلا کڑی کی مت دیکھو بھاگی وی تو الیکٹریشن کے ساتھ، بندہ کسی شپاہی کے ساتھ بھاگتا ہے۔ پیچھا کرتے ہوئے بچھلوں کی جان جاتی ہے، ادھر شپاہیوں کی بستیوں میں جانا اپنی خالہ کے گھر جانے جیسا تھوڑا ہی ہوتا ہے، میں نے سوچا......"

بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی کیونکہ تاجاں کا سخت ——— ہاتھ اس کے کندھے کا جوڑ ہلا چکا تھا۔

"ناں میں کہتی ہوں لکھ لعنت ہو تجھ پر اور تیری اس خصماں نو کھانی خالہ پر، جو اتنی اتنی چھوکریوں کے سامنے ایسے بدخیال بولتی ہے، میں نے تجھے اس واسطے ادھر بھیجا تھا کہ تو یہ گج سیکھ کے آئے۔ ہن ایسی کوئی گل کیتی تے تیرے سر پر اک وال بھی نہیں

چھوڑنا میں نے۔ نامراد، خانہ خراب نہ ہووے تے......"

تاجاں کبھی کبھی ہی زہرہ کو ڈانٹتی تھی ابھی بھی وہ شروع ہی ہوئی تھی کہ زہرہ ہنس ہنس کے دہری ہوتی اسی پر آرہی۔ تاجاں نے تلملا کے اس کے دو ہتھڑ اور جڑ دیے، خود پرے ہٹایا سامنے چھوٹی فاطمہ کھڑی تھی۔ نسیم چاچی کے بیاہ کا گوٹے کناری والا دوپٹا اوڑھے، اپنے چھوٹے چھوٹے پیروں میں بڑی سی سنہری کیڑے والی اونچی ایڑی کی جوتی پہنے، ماتھے پر بڑا سا پرانے انداز کا ٹیکہ لگائے اور تو اور پرانی میک اپ کٹ میں سے بھر بھر کے سرخ رنگ کی گول ٹکیہ گالوں پر بنائے، وہ مضحکہ خیز ہی تو لگ رہی تھی۔ پھوپھیوں کی ویران آنکھوں میں دکھ کی لہریں سر پٹخنے لگیں۔ باقی تینوں بہنیں اپنے تیار کردہ شاہکار کو نمائش پر لگا کر اب سب کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے تک رہی تھیں۔ تاجاں کو دورہ سا پڑا تھا۔ وہ اچھل کر چارپائی سے اتری اور فاطمہ کو بے تحاشا پیٹنا شروع کردیا۔ نسیم چاچی روتے ہوئے اسے چھڑانے لگی، فاطمہ کو ادھ موا کرنے کے بعد وہ باقی تینوں تک پہنچی، ساتھ چیختی بھی رہی۔

"بڑا شوق ہے ناں تم سب کو دوہٹیاں (دلہنیں) بننے کا۔ ابھی اتارتی ہوں، ماں کو منہ دکھانے جوگا نہ چھوڑنا پچھل پیریو......" زہرہ پر جیسے بہت سے راز منکشف ہونے کو تھے، وہ دم سادھے بیٹھی رہی۔ سہ پہر ڈھلتی شام ہوئی، ساگ بنا سب بھول بھال کھانے میں مگن ہوئے، زہرہ وہیں کی وہیں بیٹھی تھی اور فاطمہ...... جو زہرہ کا بازو ہلا کے وقفے وقفے سے پوچھتی۔

"میں اچھی نہیں لگ رہی سی؟" (میں اچھی نہیں لگ رہی تھی)۔

ہر بار کے پوچھنے پر زہرہ کا دل کرتا کہ وہ دھاڑیں مار مار کے روئے مگر وہ خشک آنکھیں لیے بیٹھی رہی۔ یہ جاڑا کنواریاں والا کی تاریخ کے نئے پنے رقم کرنے والا تھا، یہ جاڑا بہار لانے والا تھا۔

☆❀☆

اس کی زندگی کی سب سے خوب صورت بہار تھی یہ، وہ بلاوجہ مسکراتی، لمحوں میں صدیاں جینا چاہتی۔ اپنی زندگی میں اتنی اجلی راتیں اور اتنے پر بہار دن اس نے پہلے کبھی نہ دیکھے، ان دنوں اس کی ہنسی کی کھنک ہی اور تھی۔

اس رات جب وہ اپنی ٹانگوں پر کمبل لپیٹے کوئی موٹی سی کتاب لیے بیڈ پر نیم دراز تھا تو اس نے اتنی طویل خاموشی کو کاٹنے کے لیے اس کی جانب کروٹ لی، کہنی کے سہارے ذرا اوپر ہو کے دوسرے ہاتھ سے اس کا بازو ہلایا۔

"یہ تم کیا پڑھتے رہتے ہو؟" اس کے متوجہ ہونے پر اس کی شرٹ کے بٹن سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

"امتحان کی تیاری کررہا ہوں، یہاں ترقی کے لیے امتحان دینا پڑتا ہے۔ پہلے مجھے کوئی فکر نہ تھی مستقبل کی مگر اب...... تم ساتھ ہو تو میری کوشش ہوگی کہ تمہیں وہ سب کچھ دے سکوں جو کسی بھی شہزادی کا مقدر ہوتا ہے۔" وہ پھر سے کتاب کی طرف پلٹا مگر اسے رک جانا پڑا۔

"اور اگر میں ہی ساتھ نہ رہی تو؟"

"ایسا کیوں کہا؟"

"فرض کرو اگر کبھی مجھے بھول جانا ضروری ٹھہرا تو......؟"

"کیا تم یہ کرسکتی ہو...... مطلب مجھے بھولنا؟"

بٹن کے ساتھ مسلسل کھیلتا ہاتھ ساکت ہوگیا اور سوال کرنے والے کے اندر تک جیسے کسی نے سکون بھر دیا۔ وہ سیدھی ہوئی پھر چت لیٹ گئی، اب مقابل کہنی کے بل اس کی جانب گھوما، نظریں سوال طلب تھیں۔

"ہاں۔" یک لفظی جواب آیا، وہ ششدر رہ گیا۔

"کچھ چیزیں اہم ہوتی ہیں اور کچھ ضروری۔ میرے خیال میں ضروری چیزوں کا نمبر پہلے ہوتا

www.urdugem.com

چاہیے۔ وقت گزرے تو یہ فن تم بھی سیکھ لینا، ضروری ہے۔"

ہاتھ بڑھا کے اس کا چہرہ چھونا چاہا وہ یوں دور ہوا جیسے بساند بھری چیزوں سے ہوا جاتا ہے۔ ضروری چیزیں یہ دو الفاظ ٹک ٹک ٹک دماغ پر ضربیں لگا رہے تھے۔

☆❁☆

"کچھ فیصلے بڑے جاں گسل ہوتے ہیں، خاص طور پر وہ فیصلہ جو اپنے خلاف جا کے کیا جائے وہ مشکل ہی ہوا ناں اور یہ ایسے ہی ہوتا ہے جیسے کوڑے کھا کر کہا جائے کہ اس بار تو درد بالکل نہیں ہوا، حالانکہ درد تو ہوتا ہے، روز اول جیسا درد۔ ایسے، فیصلوں کا درد بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ بار، بار کوڑے کھانے جیسا مگر ہم جیسے انسان ساری زندگی اپنی ضد کو تھپکیاں دیتے کبھی نہیں تھکتے، چاہے ہمارے ہاتھ کرب کے چھالوں سے بھر جائیں یا ہماری روحیں......

"گزرے بارہ دن میری زندگی کے بہت قیمتی دن تھے، مگر ہر دن کے بعد رات بھی تو لازمی آتی ہے۔ یہ اور بات کہ میں تو اس رات کے آنے کا انتظار جانے کب سے کر رہی تھی۔ وہ ایک رات جس کے بعد روشن صبح ہوتی ہے۔ اب خدا جانے یہ صبح کتنی روشن ہوگی کہ ہم تو اس ڈھلتی رات کے ساتھ ہی ڈھل جائیں گے...... خدا جانے کیا ہوگا؟"

☆❁☆

لٹھے دی چادر، اتے سہلتی رنگ ماہیا......

یہ زہرہ کی گنگناہٹ تھی۔ سرسوں کے پھول جیسی لہراتی آواز۔ وہ گاؤں کے پکی اینٹوں اور کچی مٹی کے ملاپ سے بنے گھروں کے درمیان سے گزرتی، دیواروں کو ہاتھوں سے ملتی، کبھی کبھی خوش گوار مزاج کے ساتھ یہ گنگنایا کرتی تھی۔ ابھی بھی وہ اس ڈھلتی شام میں زینو کے گھر سے نکل کے اپنے گھر کو لوٹ رہی تھی۔ دھند اور کہر کی وجہ سے لوگ گاؤں میں سر شام ہی کمروں میں مقفل ہو جاتے ہیں۔ گلیوں میں اکاڈکا آوارہ کتا کسی ٹوٹے چھپر کے نیچے کپکپاتا ہر آنے جانے والے کی خبر رکھتا۔ مشکوک انداز پر بھونکتا ہے۔ گاؤں کا جاڑا بڑا پرکشش ہوتا ہے، جب بیٹھکوں کے سامنے بنے تھڑوں پر لکڑیاں جلائی جاتی ہیں۔ بوڑھے اپنی گرم شالوں میں دبکے جب کہ جوان شالوں کو بے نیازی سے کندھوں پر ڈال کے آگ کے گرد بیٹھے ہر قسم کی بات کرتے ہیں اور محفل کا اختتام وارث شاہ یا میاں محمد بخش کے کلام سے ہوتا ہے۔ عورتیں مکئی کے سٹے کوئلوں پر بھونتیں باجرے کی میٹھی ٹکیاں بناتیں اور رضائیوں میں دبک کے کھاتیں۔ ایسے میں یوں محسوس ہوتا کہ رب نے سکون صرف اسی خطہ ارض پہ اتارا ہے۔

لٹھے دی چادر......

"زہرہ!" پکار پر وہ رکی۔ زینو کا چاچا اکبر چادر سے منہ چھپائے عین زہرہ کے پیچھے کھڑا تھا۔ کئی بار اس کی ہوس زدہ آنکھوں میں پیغام دیکھے۔ مگر وہ نظر انداز کرتی رہی، مگر آج وہ اسے روکے کھڑا تھا۔

"کیا...... ہے؟" وہ لڑکھڑائی شاید گھبرائی تھی۔

"او شہزادیے! جتنی تیری شکل قاتل ہے ناں اتنی ہی تیری مت پٹھی (الٹی) ہے۔ او میرا مطلب ہے یہ کوئی ٹیم ہے کلے کلے (اکیلے اکیلے) گھر سے نکلنے کا۔ او تیری جیسی شے کو تو کالے ناغ (ناگ) کی کھڈ (بل) پر بھی بٹھا دو ناں تے لوگ فیر اسے پکڑنے سے ناں مڑیں۔ چل آ میرے ساتھ تجھے گھر چھڈ (چھوڑ) آؤں شہزادیے۔"

سارے مکالمے کے دوران زہرہ کا دھیان اپنے کندھے پہ رینگتے اکبر وسیر کے بائیں ہاتھ پر رہا۔ اب وہ اس کا بازو تھام کے چلنے لگا۔

"چھوڑ...... میں آکھیا (کہا) چھوڑ مجھے۔ چلی جاؤں گی، یہ اگلی نکڑ پر تو بوا (دروازہ) ہے میرا۔ تو میری فکر نہ کر۔ اپنے گھر کی فکر کر، جہاں چار کنوار بیٹھی ہیں۔ ذرا دھیان رکھا کر، وہ تو کسی کالے ناغ کی کھڈ پر وی نہیں بیٹھیں۔ ہنہ آیا وڈا نگہبان۔"

وہ زہرہ شہباز وسیر تھی۔ اس نے کونوں کھدروں میں چھپ چھپ کے رونے کے بجائے ...یروں کے مرد کو للکارنا پسند کیا۔ اکبر وسیر نے طیش ...سے اسے روکنا چاہا، مگر گلی میں کسی تیسرے کی آمد کا ...یال کرتے ہوئے ضبط کیے رہا۔

"لے وئی شہزادیے! پہلے تے گل تھی، لکن مٹی ...یسی۔ ہن تجھے پتہ لگے گا کہ کلی (اکیلی) شکل ہی کج ...یں ہوتی۔ ہن کدی ٹکر تو مجھے۔"

"ہن ہتھ لگایا تے اگر ہتھ نہ کاٹ دیا اس کا تو ...سمجھنا حرام زادی ہوں، سارے اک جیسے مرد...... لگڑ بگڑ۔"

رات نے اپنے دامن سے مزید سفید راکھ پھینکنا شروع کی، جب کہ دھرتی نے سمیٹنا۔

☆❁☆

وقت چند ہفتے مزید آگے بڑھا۔ زہرہ نے اپنے گھر میں حوصلہ شکن ہنگامہ پایا۔

"سور دی تخم جانوں نہ مارا تے مینوں آکھیں حرام زادہ...... کی کر رہی سی کریم دے پتر نال اے لالی چنی لے کر۔"

یہ وہ ابتدائی الفاظ تھے جو ارباز وسیر نے فاطمہ کو دروازے کی چوکھٹ کے ساتھ ٹکراتے ہوئے کہے۔ وہ اسے روئی کی طرح دھنکتے ہوئے رسوئی تک لایا۔ اس کے سر سے بھل بھل نکلتے خون نے سب کی چیخیں نکال دیں، مگر ارباز چاچا نہ رکا۔ وہ منہ سے کف اڑاتا گالیاں بکتا فاطمہ کو پیٹتا رہا۔

"بے غیرت سمجھ رکھا ہے مجھے۔ تم ذلیل، کم ذات عورتوں کی نیت نہیں بھرتی مردوں سے۔ عمر دیکھ اس کی، ابھی دس کی بھی نہیں ہوئی۔ میں پاگل لگتا ہوں تم سب بے غیرتوں کو، کبھی کسی کا رشتہ آتا ہے، تو کبھی لوگ مجھے روک روک اس جادوگرنی زہرہ کا کہتے ہیں اور کتنے مرد چاہئیں تم عورتوں کو۔ سارے پنڈ میں کنواد ہیں۔ تم لوگ بھی رہ جاؤ گی تے کون سی قیامت سر ٹپ (پھلانگ) جائے گی۔ پوچھو ساری مل کے اس سے کیا کر رہی تھی، فاروق کے ساتھ ادھر۔"

"چل بس کر دے باز! بس کر دے اور کتنی کھے (راکھ) پائے گا۔ ہمارے سفید چونڈوں (بالوں) میں۔ کج خدا دا خوف وی کر۔" شہر بانو نے ہمت دکھائی۔

"او چل تو چپ کر۔ گل سن لو سب میری، کوئی گھر سے باہر پیر وی نہ نکالے، نہیں تے ٹوٹے کر دوں گا، قسم خدا دی۔ یہ جو اسکول کا مٹنا ہے ناں اے وی ختم کراؤں ان نکیوں، نظر نہ آئیں یہ مجھے کسی نکڑ یا گلی میں۔ آئی سمجھ۔"

وہ فیصلے سناتا باہر نکل گیا۔ اماں جو فاطمہ کے سر پر اپنا دوپٹا دبائے بیٹھی تھیں بآواز بلند رونے لگی۔

"شہر بانو! دیکھ یہ آنکھ نہیں کھول رہی۔ فاطمہ...... نی فاطمہ۔"

ساری رونے لگیں۔ زہرہ بنا جوتا پہنے، دوپٹا اوڑھتی باہر کو دوڑی۔ نکڑ والے، کمپاؤڈر کو بلا لائی۔ رات ارباز کے چیخنے، گالیاں دینے پر بھی وہ سر جھکائے مٹروں کے شوربے سے کھیلتی رہی۔

"ناں مرتی تھی تو مر جاتی۔ یہ کیوں گئی باہر۔ میں بھوکتا رہوں۔ تم لوگوں کو پروا ہی نہیں۔ جس کا جو دل چاہندا ہے وہ وہی کرتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیوں گئی تو باہر۔"

"صرف میں ہی کیوں...... مہر بانو پھوپھی شام کو چارہ لینے گئی، زر بانو پھوپھی دودھ دوہنے۔ ابھی بھی بھینسوں کو چھپر کے نیچے کرنے گئی ہے۔ اس کا کیا؟"

"یہ گھر کے کم ہیں۔ ہر کنوار کرتی ہے۔ جب تم لوگ ہمارا کھاتی ہو تو کم وی تو کرنا ہے نا۔ میری جند پر احسان نہیں ہے یہ۔ ہمارے سیروں پر ناغ بن کے بیٹھی ہو، تے کم کرتے موت پڑتی ہے۔"

"یہ ہی ہے تیری غیرت۔"

"کیا بھونک رہی ہے، او نیچا بھونک۔" وہ بپھر کے اس پر جھپٹا۔ شہر بانو بیچ بچاؤ کرانے لگی۔ زہرہ کمرے میں آ کے فاطمہ کی رضائی میں گھس گئی۔

www.urdugem.com

''ہم عورتیں خراب، ہم عورتیں بازاری اور یہ مرد......؟''

آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر تکیے میں جذب ہوتے رہے۔ فاطمہ جب وقفے وقفے سے کراہتی تو زہرہ کا دل چاہتا کہ وہ ساتھ والے کمرے میں سوئے ارباز وسیر کو ہمیشہ کے لیے سُلا دے۔ وہ سوچتی رہی، کوئی راہ سجھائی نہ دی۔ زرد بلب کے گرد سر ٹکراتی، راستہ ڈھونڈتی مکھی بالآخر نیم جان ہو کے زہرہ کی رضائی پر آن گری۔ زہرہ نے تھک کے آنکھیں موند لیں۔

☆❁☆

وہ جلدی جلدی کھانے کے برتن سمیٹ رہی تھی، جب وہ کچن کے دروازے پر کھڑا اسے کام کرتے دیکھنے لگا۔ وہ سست انداز میں کام ختم کرنے لگی۔

''میری کوئی بات بری لگی تو معذرت چاہتا ہوں۔'' کچھ دیر بعد آواز ابھری، وہ تھمی، بولی کچھ نہ۔

''یار! ایک تو تم ناراض بہت ہوتی ہو۔'' وہ قریب آیا۔ کاؤنٹر سے پشت ٹکائے اظہار خیال کیا۔

''بڑی جلدی تھک گئے۔''

''دیکھا...... کیسا ترنت جواب دیا۔ حالانکہ تمہیں مجھ سے سوری کرنا چاہیے تھا۔''

''کس بات کے لیے؟''

''میرا دل دکھانے کے لیے۔''

''تم مردوں کے دل بھی دُکھتے ہیں۔ کیسی شرم کی بات ہے ناں۔''

اسے لگا وہ مسکرائی ہے۔ بغور جانچا، وہ سرخ ہوتی اس کی جانب رخ موڑ کے کھڑی ہو گئی۔ وہ جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی، جو کلائی کی گھڑی پر نظر دوڑا رہا تھا۔

''اچھا...... میں چلتا ہوں۔ آج موسم بھی خراب ہے۔ بارش ہوئی تو گھبرانا مت۔ میں رخسانہ آنٹی سے کہہ جاؤں گا، وہ آ جائیں گی تمہارے پاس۔'' تیز تیز بولتا دہلیز پار کرنے لگا۔

''رکو۔'' وہ رک گیا۔

''آج تم نہ جاؤ۔'' فرمائش پہ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ بازو اس کے کندھوں پہ پھیلایا۔

''ان بارہ دنوں میں نویں بار کہہ رہی ہو حالانکہ جانتی ہو کہ مجھے چھٹی نہیں ملتی۔ میں کوشش کروں گا جلدی آنے کی۔''

وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا، جب کہ وہ صرف اسے دیکھ رہی تھی۔ کیسی سوندھی خوشبو آتی تھی اس کے وجود سے، تحفظ کی، عزت کی، محبت کی خوشبو...... کیا سب مردوں سے ایسی خوشبو آتی ہے، شاید نہیں۔ اسے تو صرف اس مرد سے آتی تھی۔ وہ گیٹ پار کر رہا تھا۔ آج اس کا دل نہ جانے کیوں ڈوب رہا تھا۔ اس کے پاس موجود وقت کے سکّے پر صرف آج رات تک کی مہلت تھی۔ صرف آج رات تک......

☆❁☆

''کتنی بار دل چاہا کہ پلٹ جاؤں۔ ان ہی لمحوں میں خود کو قید رہنے دوں جو تمہارے ساتھ بیتے تھے مگر میرے 'پیچھے والوں' کے پیروں میں پڑے چھالے مجھے منزل کی طرف چلتے رہنے پر مائل کرتے رہتے۔ دل پیروں سے لپٹ لپٹ جاتا مگر وہ نہ رکے۔ پیروں نے مرتد نہ ہونے دیا، ورنہ میرا حال بھی اس مومن جیسا ہوتا جو نزع کے وقت کلمے سے منکر ہو گیا ہو۔ اس پیاسے جیسا جو طویل مسافت طے کر کے کنویں تک آیا، پھر اندر جھانکے بنا ہی کسی اور کنویں کی تلاش میں نکل پڑا۔ پیچھے میٹھے پانیوں والا کنواں صدائیں دیتا رہ گیا۔ وہ رب واقعی بڑا بے نیاز ہے۔ بے نیاز نہ ہوتا تو کسی میری جیسی کو گھر سے بے گھر...... پھر گھر سے بے گھر نہ ہونا پڑتا۔ اس رب کی قسم میں تو وہیں اسی دہلیز پر کھڑی کھڑی مر گئی تھی۔ آج تو صرف سانسوں کی گنتی پوری کر رہی ہوں۔ مرنے کا قانونی طریقہ پورا کر رہی ہوں آج جب ختم ہونے کے قریب ہوں تو دل چاہتا ہے کہ تجھے بتاؤں کہ میں، میں نہ تھی۔ بس تم تھی۔

☆❁☆

سردیاں، ہواؤں پر مکمل قبضہ جمائے ہر کسی کو جما دینے کے در پے تھیں۔ فصلوں پر جما کہر، سہ پہر تک ہولے ہولے پگھلتا تو لوگ اپنے جانوروں کے لیے اگلے دن تک کا چارہ کاٹ لاتے۔ آج زہرہ بھی مہربانو کے ساتھ فصلوں میں آئی تھی۔ سورج مدھم ہوتا ہوا صرف سرخ چمکتا گولہ سا نظر آنے لگا۔ حرارت سے خالی۔ مہربانو ابھی چارہ کاٹنا شروع ہی ہوئی تھی کہ زربانو کی پکار پر اٹھ کے گاؤں کی طرف بھاگی۔

''مہربانو...... مُڑ آ...... کالی رستہ تڑوا کے بھاگ گئی۔''

وہ بھینس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ مہربانو اسے وہیں رہنے کا کہہ چلی تھی۔ زہرہ کچھ دیر ادھر اُدھر پھرتی، مختلف بوٹیوں کو جانچتی رہی، پھر امردوں کے جھنڈ کی جانب آئی، جھینگروں اور کیکڑوں کی آوازیں دہراتی سرسوں اور امردوں کے پتوں کی سرسراہٹ، ڈوبتا سورج۔ وہ بے اختیار خوف کا شکار ہوئی۔ امردوں کے جھنڈ کے درمیان پکے نالے کے ساتھ ایک کچی راہ گزر تھی۔ جو درختوں اور فصلوں سے گھری رہتی۔ وہ راہ گزر ہمیشہ سنسان ہی رہتی۔ اکا دکا لوگ ہی اس راہ سے گزرتے۔ زہرہ وہیں پکے نالے کے کنارے بیٹھ کے امرود کھانے لگی۔

لٹھے دی چادر......

وہ گنگناتے ہوئے رکی، کچی سڑک پر قدموں کی چاپ ابھر رہی تھی۔ زہرہ لاشعوری طور پر ٹاہلی (شیشم) کے موٹے سے تنے کے پیچھے ہوئی۔ سایہ ہولے ہولے واضح ہوا، وہ موجو نائی کی بیٹی ثریا تھی۔ سر پر اپنے باپ، بھائیوں کے لیے کھانا اٹھائے وہ ترنگ میں آگے بڑھ رہی تھی لیکن اس کے پیچھے اک اور سایہ بھی تھا۔ وہ ارباز وسیر تھا جو عین ثریا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ زہرہ نے آنکھیں جھپک جھپک کے دیکھا اپنے غیرت مند سرپرست کو۔ وہ چہرے پر خبیث سی مسکراہٹ لیے اس لڑکی کو ہراساں کر رہا تھا۔ پھر زہرہ کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کچھ نازیبا حرکات کیں۔ ثریا قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی، کیوں کہ آگے وہ جانے نہ دیتا تھا۔ زہرہ کے ماتھے پہ پسینہ پھوٹ پڑا، سانس سینے میں ہی دب گیا۔

اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ثریا کے سر سے گرے زمین پہ بکھرے شلجم اور روٹیوں کو دیکھا اور کچھ دور پڑے اس کے دھانی دوپٹے کو بھی۔ وہ حرکت کرنے کے قابل نہ رہی۔ گنے کی فصل سے آتی ثریا کی آوازوں نے عجب وحشت طاری کی' وہ دیوانہ وار پیچھے کو بھاگنے لگی۔ بے انتہا زرد رنگ کے ساتھ وہ پکی سڑک پر بھاگ رہی تھی، جب کسی سائیکل سے ٹکرائی اوندھے منہ گری۔ پھر سے اٹھی اور بھاگنا شروع کر دیا۔ مہربانو نے دیکھا تو تفکر سے آوازیں دیتی رہ گئی۔

دروازہ کھول کے وہ یوں گھر میں داخل ہوئی جیسے کسی نے پوری قوت سے اسے اندر پھینکا ہو۔ تاجاں دل تھام کے رہ گئی۔ زہرہ کمرے میں داخل ہوتے ہی چارپائی پر ڈھے گئی۔ لحاف میں منہ دیے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ کس جہاں میں بستی تھی وہ۔ کیسے لوگ تھے یہاں کے۔

☆❁☆

''غلطی میری ہی ہے۔ اکیلی کنوار کو ڈھلتی شام، ادھر ویرانے میں چھوڑ آئی۔ لگتا ہے ڈر گئی ہے۔ پیر اعظم شاہ کے آستانے پر لے چلوں گی کل اسے۔''

مہربانو، تاجاں سے ہم کلام تھی، جب کہ قریبی چارپائی پر پڑی زہرہ پچھلے دو دنوں سے بخار میں تپ رہی تھی اسے ہر دم اپنے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوتیں جنہیں وہ جھٹکتی رہتی۔ اس کا غم ہولے ہولے نفرت میں بدل رہا تھا۔ ارباز وسیر کی اس دن کی گفتگو اس کے کانوں میں گونج پیدا کرتی۔

''تم عورتوں کا دل نئیں بھرتا ہم مردوں سے۔''

www.urdugem.com

سر میں ٹیسیں اٹھنے لگتیں، عورتیں بے قصور ہی گناہ گار ٹھہرائی جاتیں اور مرد...... کیا بچنے کی کوئی راہ بھی ہوگی؟ جب ارباز وسیر کے اعمال اس کی طرف لوٹ کے آئیں گے تو پکڑ میں، ہم ہی تو آئیں گی۔ اکبر جیسے نہ جانے کتنے موقع کی تلاش میں ہوں گے؟ ہم بہنیں، ہی اپنی میلی چادروں سمیت ان سرپرست مردوں کے حصے کا بار بھی خود اٹھاتی پھریں گی؟

کیا کوئی راہ نہیں نجات کی؟

کوئی ترکیب، کوئی تدبیر؟

وہ ابھی بھی ایک ہی نقطے پر نظریں جمائے لیٹی تھی، مہربانو اور تاجاں تشویش سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

☆❁☆

کل دوپہر کی بات تھی جب زینو اس کی غائب دماغی محسوس کیے بنا اپنا دکھڑا روتی رہی۔

”زہرہ! ماجد میری جان نئیں چھوڑ رہا۔ سعودیہ جا رہا ہے نا اس واسطے ملنے بلاتا ہے۔ کل اسے چلے جانا ہے۔ میں کیا کروں، اگر گھر والے رشتے کو نہیں مانے تو ......“ اور آج نثار کمپاؤڈر نے اسے روک کے کہا۔

”زہرہ......! کیا آج تُو زینو سے ملی ہے؟“

”نئیں۔“

”اسے دیکھ آ۔ میں ابھی ادھر سے ہی آ رہا ہوں۔ کہیں گر ور گئی ہے۔ بڑے زخم آئے ہیں اسے۔“ نثار نے نظریں ملائے بنا کہا۔ وہ جو اکبر کی وجہ سے زینو کے گھر جانے سے گھبراتی تھی۔ زینو کی طرف دوڑی۔ جاتی سردیوں کے دن تھے۔ زینو کی ماں ٹکور کے لیے ریت گرم کر رہی تھی، اسے کمرے میں جانے کا اشارہ کر کے دوبارہ کام میں مگن ہوگی۔ کمرے میں زینو لحاف اوڑھے لیٹی تھی۔ زہرہ کے پکارنے پہ بھی لحاف اوڑھے رکھا۔ زہرہ نے لحاف کھینچ لیا۔

چہرے اور گردن پہ جا بجا زخم تھے جن پر مرہم لگائی گئی تھی۔

”کیسی گہری چوٹیں آئی ہیں...... کیسے گری ہے تُو؟“

زینو کی دبی دبی چیخیں نکلیں۔ اپنے دوپٹے سے اس نے چہرے کی ساری مرہم اتار دی۔ زہرہ گونگی ہوگئی۔ وہ کاٹنے کے نشان تھے۔

”میں تے باڑے گئی تھی زہرہ! گوبر سے بھرے ہتھ تھے میرے۔ بڑا چھڑایا، بڑا روئی، مگر وہ نہ جانے کیا کیا بولتا رہا۔ پھر چلا گیا...... چلا گیا سعودیہ۔ کیا کھیل کھیلا اس نے...... چل ہمارے ناکارہ کنوارے وجود کسی کے کم تو آئے۔“ اذیت پسندی سے گردن کے زخم چھیل ڈالے، پھر بین ڈالنے لگی۔ زینو کی ماں بھاگتی آئی۔

”نی زہرہ کج سمجھانی اسے کیوں باپ، بھائیوں کو شک پڑوانا چاہتی ہے، مگر ولتھ (جان چھوٹی) گیا ہے وہ۔ یہ پھٹ (زخم) تے چھیتی بھر جائیں گے، بس اسے سمجھا بوتا رولا نہ ڈالے۔“

وہ رازداری کا سبق پڑھا رہی تھی۔ زہرہ کا جی الٹنے لگا۔ کیسی بساند تھی وہاں۔ وہ اٹھ کے باہر نکل آئی۔ بدبو نے پیچھا نہ چھوڑا۔ کیا کنواریاں والا میں ہمیشہ سے ایسا ہوتا آ رہا ہے یا اس کی آنکھ ہی اب کھلی ہے۔ نکاح رب کا بنایا پاکیزہ قانون۔ قانون قدرت کے مخالف ہوتے معاشروں میں ایسے گناہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

زینو کے گھر کے بڑے سے احاطے میں دروازے کے ساتھ چار پانچ بکریاں بندھی ہوئی تھیں۔ اکبر انہیں چارہ ڈال رہا تھا۔ وہ دہلیز پار کرنے لگا۔ زہرہ کو دیکھتے ہوئے رک گیا۔

”او شہزادیے! کتنی وار کہا ہے گلی نہ گھوما کر، پچھلے دنوں وی ڈر گئی تھی، ہیں......“

زینو کی ماں کو کمرے سے نکلتا دیکھ کے وہ اس کا سر تھپکنے لگا۔ ہاتھ رینگتا ہوا اس کے گال تک آیا۔ زہرہ پھوڑے کی طرح پھوٹ پڑی۔

”بے غیرت، بے ضمیر انسان...... ہری چگ۔ تُو نے مجھے کوئی کمزور سمجھ رکھا ہے۔ میں تجھے بتاتی

...وں عورت کیا کر سکتی ہے۔“

زہرہ نے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ وہ دیوانی لگ رہی تھی۔ چارے کے پاس درانتی پڑی تھی۔ زینو کی ماں واویلا کرتی دوڑی، اکبر حیران الگ، زہرہ نے پے در پے درانتی کے کئی وار اس کے ہاتھ اور بازو پر کر دیے۔

”اب لگائے گا ہتھ مجھے...... کمینے پہلے وی کہا تھا، میرا نئیں اپنے گھر کا دھیان رکھا کر۔“

وہ بولتی جا رہی تھی۔ اکبر کی بیوی رسوئی سے آدھا ادھورا منظر دیکھ کے گال پیٹتی ہوئی بین کرنے لگی۔ کیوں کہ اکبر درد سے دہرا ہوا چارے پر گرا پڑا تھا، زینو ننگے سر باہر نکلی۔

”اماں تو زہرہ کو لے جا یہاں سے۔ یہ دیوانی ہوگئی ہے۔ جان سے مار دے گی اسے۔“

زینو کی ماں زہرہ کو بازوؤں میں جکڑے باہر نکل گئی۔ سارا محلہ اکٹھا ہوگیا۔ اکبر نے اپنی مردانگی کی خاطر اٹھنا چاہا، مگر جگہ جگہ سے ادھڑا ہوا بازو جیسے شل ہوگیا تھا۔ وہ غلیظ گالیاں بکنے لگا۔ سارے میں یہ خبر پھیل گئی کہ زہرہ نے اکبر کو جان سے مارنے کی کوشش کی ہے، مگر وجہ جانتے ہوئے بھی کسی نے پچھ کہنے کی ہمت نہ کی۔ ارباز وسیر بار بار زہرہ پہ جھپٹتا، پھوپھیاں اور چاچی الگ روندی جاتیں۔ زہرہ نڈر انداز میں اسے گھورتی تو وہ اور بپھرتا۔

حالات ایسے ہی چل رہے تھے کہ اجاڑ دھرتی پر بہار نے قدم رکھ دیے۔

☆❁☆

شام میں وہ واقعی جلدی لوٹ آیا تھا۔ تب تک بادلوں نے مکمل اندھیرا چھا دیا تھا دھرتی پہ۔ اس نے اردگرد منظر کا جائزہ لیتے ہوئے بیل پہ ہاتھ دھرا۔ کچھ دیر بعد وہ دروازہ کھولے کھڑی تھی۔

”السلام وعلیکم!“

”وعلیکم السلام! تمہیں ڈر تو نہیں لگا؟“ اس نے فقط نفی میں سر ہلایا۔

”اوئے رکو...... روئی ہو تم؟“ اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ وہ خاموش ہوگیا۔ دونوں آگے پیچھے چلتے اندر آ گئے۔

”کھانا لاؤں؟“

”ہاں لے آؤ۔“ وہ کچن میں آئی چائے کا پانی رکھا اور کھانا نکال کے لے گئی۔ اسے کھاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ کھانے کے بعد چائے لائی۔ وہیں بیٹھ گئی۔

”اب بتاؤ، رو کیوں رہی تھیں؟“ وہ چپ رہی۔

”تم خوش نہیں ہو؟“ وہ چیخی۔

”تمہیں معلوم بھی ہے کہ مجھ سے اچھے الفاظ نہیں بولے جاتے۔ زیادہ ماسٹر جی نہ بنا کرو۔“ وہ ہنس دیا۔

”مطلب خوش ہو...... ہوں؟“ چائے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

”اب میں نے یہ بھی نہیں کہا۔“ رکھائی سے کہا۔ وہ چونکا۔

”تم مجھے چونکا دیتی ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، مگر کچھ ہے جو صحیح نہیں ہے۔“

وہ بنا کچھ بولے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ لمحوں بعد وہ بھی پیچھے چلا آیا۔

”میں نے آج تمہارے سارے کپڑے تیار کر دیے ہیں۔ ایک ڈیڑھ ہفتہ آسانی سے نکل جائے گا تمہارا۔“ وہ الماری میں لٹکے کپڑوں کو بلاوجہ ہاتھوں سے ادھر ادھر کرتے ہوئے بولی۔

”تم رہنے دیتیں۔ کیا ضرورت تھی خود کو تھکانے کی۔ ادھر ہی ہو تم کون سا بھاگی جا رہی ہو۔“ وہ ہنس دی۔ کتاب اٹھاتا اس کا ہاتھ رکا۔ وہ متعجب سا اسے ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پہلی بار اس کے دل میں وسوسہ سا جاگا۔

☆❁☆

”کنواریاں والا“ میں قدرت نے سبز پوشاک پہن لی۔ سرد جمود ٹوٹ گیا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ نکھر گئی۔ زہرہ کے گھر کی تنگی سکھ چین بھی

www.ur gem.com

اپنے بدن پر سبز رنگ ملنے لگی۔ جو دن بہ دن گہرا ہوتا گیا۔

''زہرہ...... جا میری دھی! یہ حلوہ نعمت کو دے آ۔ دوپہر کہہ گئی تھی مجھے۔''

شہر بانو کی ایک ہی دوست تھی نعمت بی بی۔ دونوں ایک دوسرے کو سوغاتیں بھیجنے میں پیش پیش رہتیں۔ ابھی بھی سب ہی چھوٹی بہنیں مولوی صاحب سے قرآن پڑھنے گئی تھیں تو شہر بانو اس سے کہنے لگی۔ وہ کٹورا تھامے سندھوؤں کے گھر چلی آئی۔ پھاٹک نیلو نے کھولا۔ اسے دیکھ کے سخت بدمزا ہوئی۔ زہرہ بنا پروا کیے اسے ہاتھ سے پرے کرتی اندر گھس گئی۔ بڑے سے صحن میں خاصا رش لگا ہوا تھا۔ سب ہی پیالیوں میں لبالب بھری خوش رنگ چائے سے انصاف کر رہے تھے، وہ اجتماعی سلام لیتے ہوئے نعمت پھوپھی کو پیالا تھمانے لگی۔

''بیٹھ جا زہرہ! چاہ پی کے جانا۔'' نعمت بی بی نے پیالے کے ساتھ اس کا ہاتھ بھی تھامتے ہوئے کہا۔

''نہ پھوپھی! تسی پیو۔ میں جلدی گھر جانا اے۔ اک کم ہے۔'' وہ ہولے ہولے سے وضاحت دے رہی تھی۔ زراور حسن پہلی بار اس کی جانب متوجہ ہوا اور پھر اس کے پھاٹک پار کرنے تک متوجہ ہی رہا۔

''اسے کیا ہوا؟ بڑی انقلابی تبدیلی معلوم ہو رہی تھی اس میں۔'' وہ چھوٹتے ہی بولا۔

''کیوں، تجھے کیا معلوم پڑا ہے اس میں؟'' اماں نے مسکرا کے پوچھا۔

''نہیں، میرا مطلب ہے اگر پہلے والی زہرہ ہوتی تو کہتی، 'لے آ' چاتے گاجر کا حلوہ۔ ساڈے گھر تے کوئی منہ وی نہ لگا دے۔ ماسا (بالکل) چنگا نہیں لگدا مینوں۔'' وہ ہو بہو زہرہ جیسا لہجہ اپناتے ہوئے بولا۔ سب ہی ہنس دیے۔

''تاں ویرے اک گل تو بتا۔ تو نے زہرہ کو اس طرح کی باتیں کرتے کب سنا ہے؟'' نیلو ترنت میدان میں اتری۔

''لو، بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ شکل نہیں دیکھی تو نے اس کی۔ اس کی ناک دیکھ کے کوئی بھی بتا سکتا ہے کہ وہ کتنی ''اوچی'' ہے۔ کبھی مصر کی رانی جیسی۔'' وہ بے نیازی سے تبصرہ کر رہا تھا۔ نیلو ذرا متاثر ہوئی۔

''اچھا...... تو بتا رہا تھا کہ ادھر فوجی بستیوں میں کوئی ریڑھی، ٹھیلے والا بھی نہیں آتا۔ تے فر پتر! لوگ سبزی، ترکاری کدھر سے لیتے ہیں؟''

نعمت کی سُوئی ابھی بھی اسی ادھوری کہانی میں اٹکی تھی۔ زراور کچھ بتا رہا تھا مگر کٹورا واپس لینے کے لیے آئی زہرہ خالی الذہن سی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کا ذہن ایک ہی نقطے پر ٹھہر گیا تھا، جیسے کمپاس کی سوئی نے منزل کا تعین کر دیا ہو...... فوجی بستیاں...... محفوظ و ناقابل رسائی۔

☆❀☆

''اماں تُو مجھے وہ والا گلابی سوٹ لے دے نا۔''

زہرہ نے گاؤں کے درمیانی چوک میں کپڑا بیچنے والے کے قالین پر پڑا گلابی اور سیاہ رنگ کا سوٹ دیکھتے ہی ماں کے کانوں میں گھس کے فرمائش کی۔

اماں کے بھینسوں کو نہلاتے ہاتھ تھم گئے۔ بڑے دنوں بعد زہرہ نے کوئی فرمائش کی تھی۔

''وہ گلابی اور سیاہ والا؟'' اماں خود ہی ذہن میں رشید کپڑے والے کی دکان میں پڑے سارے گلابی سوٹوں کو دہراتے ایک پر ٹھہر گئی۔

''ہاں وہی والا۔''

زہرہ نے برگد کی لٹکی ٹہنی کو جھٹکا دیا۔ سفید بگلوں کا غول سہم کر چوکنا سا اڑا۔ پھر سے بیٹھ گیا۔

''نا میری دھی! یہ والا تو نہیں، پر چل تو کوئی اور پسند کر لے۔ وہ لے دوں گی تجھے۔''

''نا ایویں کوئی اور پسند کر لوں۔ جو پسند ہے، وہی چاہیے بس......'' وہ باڑے کی درمیانی دیوار پر چڑھ کے بیٹھ گئی۔

''پیر اعظم شاہ نے کالا رنگ پہننے سے منع کیا ہے تجھے۔ یاد نہیں کیا کہا تھا انہوں نے۔ کالا رنگ ڈنگتا ہے تجھے۔'' (ڈستا ہے تجھے)۔

''بس کر دے اماں! پیر اعظم شاہ کہتا ہے تو کالا رنگ نہ پہنوں۔ پیر اعظم شاہ کی پھوپھی کہتی ہے تو شادی نہ کروں۔ یہ پیر ایک دفعہ ہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ مر جاؤں۔ یہ قسطیں کیوں کر رہے ہیں میری جندڑی کی۔ مجھے وہ گلابی سوٹ ہی چاہیے۔ نہیں تو پیروں کے میلے پر سارے ''عقیدت مندوں'' کے سامنے وہ بین ڈالوں گی تا کہ اگلی پچھلی ساری ''دعائیں'' اٹھالیں گے وہ ہم پر سے۔''

زہرہ کی چلتی زبان کو ایک مردانہ قہقہے نے جامد کیا تھا، وہ بے ساختہ مُڑی، زراور اس کے قریب دیوار پر جھکا، اس کی ماں کو سلام کہہ رہا تھا۔ وہ لٹھ مار انداز میں دیوار سے اتری۔ ہاتھ والے نلکے سے ہاتھ پاؤں دھوئے۔ اس دوران زراور کی ساری باتیں وہ سن رہی تھی۔

''خالہ! اگر اسے بخار تھا تو ڈاکٹر کو دکھاتی نا۔ اب کون سا دور ہے، دم سے بخار ٹھیک کرنے کا اور یہ رنگوں کے پہننے یا نہ پہننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ لے دیں اسے گلابی سوٹ۔ دل سے بڑا پیر اور کوئی نہیں اور اگر اس کا دل کر رہا ہے تو روکنا غلط ہے۔''

''ارے بیٹا تو نہیں جانتا اسے۔ خالی بخار نہیں تھا اسے۔'' سرگوشیانہ انداز میں بولی۔ ''دورہ پڑا تھا اسے۔ وہ اکبر ہے نا شہباز کا چچیرا بھائی، اس کا بازو چار جگہ سے کاٹ دیا درانتی سے۔ پوچھا تو بولی، چھوتا ہے مجھے۔ بے نا کملی۔ وہ اس کے باپ سے بھی نو ماہ بڑا۔ اس نے اگر سر پہ ہاتھ پھیر دیا تے اس کا کون سا سونا جھڑ گیا۔ فیر گھر آئے سب کو گھورتی رہی۔ اٹھ اٹھ کے بھاگتی رہی۔ اماں بدبو آتی ہے، اماں بدبو آتی ہے۔ ہائے ماں کا دل پھٹ گیا، لے کے دوڑی گئی پیر اعظم کے پاس۔ اسے وی چھونے نہ دے۔''

زراور نے نظریں اٹھا کے دیکھا، دروازے کی اوٹ میں چھپی زہرہ کی آنکھ میں آنسو تھا۔ اس کے دیکھنے پر وہ پھاٹک پار کر گئی۔ زراور سر جھٹک کے تاجاں کو سننے لگا، مگر وہ بھی کملا تھا، بھلا سر جھٹکنے سے بھی سوچیں جھٹکی جا سکتی ہیں؟

☆❀☆

''اماں! یہ ویروں کی زہرہ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

رات ڈھلے ہر دھندے سے نمٹنے کے بعد بھی زراور اس آنسو کی بے بسی نہ بھول سکا تو رضائی میں دبکی نعمت کی پائنتی پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''کج نہیں، بس ایویں جھلی ہے وہ۔ جن غموں سے کنواریاں اکھ بچاتی پھرتی ہیں، یہ انہیں غموں کے مقبرے بناتی انہیں روتی پھرتی ہے۔ کوئی مت نہیں اس جھلی کو دی۔ کوئی اسے پوچھے کہ کہاں لکھا ہے اس سوہنے نے کہ سوہنی شکل کے ساتھ، نصیبا وی سوہنا ہی دے گا۔''

نعمت نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔ زراور کے کچھ بھی پلے نہ پڑا۔ نیلو جو نہ جانے کب سے بیٹھی تھی بول پڑی۔

''کوئی غموں کے مقبرے نہیں بناتی وہ۔ ناک نہیں دیکھی اس کی۔ غموں کو روتی پھرتی تو اس کی ماں اعظم شاہ کے پاس کبھی نہ لے جاتی۔ بات ساری یہ ہے کہ وہ اندر سے، باہر سے بھی زیادہ سوہنی ہے۔ میلی نہیں ہونا چاہندی وہ۔ ''چور راستوں'' سے باغی ہے اماں۔''

زراور نے نیلو کی بات کو بہت جانا۔ اٹھا اور چھت پر بنے کمرے میں آ کر اپنی چارپائی پر لیٹ گیا۔ ''میلی نہیں ہونا چاہتی۔'' تو کیا باقی سب کنواریاں میلی ہیں۔ میری پھوپھیاں، میری بہن، چچیری دو بہنیں۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ پھر ساری رات بیٹھا ہی رہا۔ باہر کنواریاں والا کی تہ کے نیچے چھپے جھینگرے اک نئی جنگ کے پیش نظر اپنی آوازوں

www.urdugem.com

کے ساز بدلتے رہے۔ قدرت کتاب کائنات کا اک اور ورق الٹنے کو تھی۔ اک نئی صبح ہونے کو تھی۔

میلہ شروع ہوگیا۔ رنگ، رونق، خوشیاں

بڑے عرصے بعد کنواریاں والا کا ہر رہائشی مسکرا رہا تھا۔ بچوں نے اپنے گلے توڑے، بڑی بوڑھیوں نے کپڑے کی تھیلیوں میں لپٹے آخری سکے تک نکال لیے، جب کہ خواتین بھی پیتل کی آرائشی کٹوریوں اور گھڑوں کو کریدتی رہیں۔

''شہباز وسیر'' نے میلے کے لیے الگ سے پانچ ہزار بھیج دیا تو فاطمہ و سکینہ ڈھائی ڈھائی سو ہاتھوں میں لے کر جذبات میں جوتا پہنے بغیر ہی میلے کو دوڑ گئیں۔ ارباز وسیر نہ جانے کدھر مصروف تھا۔ صرف پانچ بجے ہونے والی کبڈی میں ہی شکل دکھاتا۔ آج تیسرا دن تھا، میلے کا آخری دن۔ زہرہ کے لیے پہلا دن، کیوں کہ وہ صرف تیسرے دن ہی آئی۔ وہ زینو کے ساتھ جلیبی والے کے پاس کھڑی تھی، جب کسی نے اس سے پوچھا۔

''تو یالآخر گلابی سوٹ لے ہی ڈالا تم نے۔''

وہ چونک کے مڑی۔ زراور کندھوں پر شال ڈالے، مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''شکریہ تو کہہ دو۔''

''وہ کس لیے بھلا؟''

''سفارش کی تھی۔ گلابی رنگ کی۔''

زہرہ نے ایسے سر ہلایا جیسے ''سمجھتے رہو سانوں کی۔''

''مگر اس سیاہ رنگ کی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ واقعی ڈنگتا ہے۔'' وہ تھم گئی۔

''میرا مطلب ہے...... تمہیں، دیکھو رنگ کیسا زرد ہو رہا ہے۔''

زینو جلدی سے آگے بڑھی۔ اسے تقریباً گھسیٹتی ہوئی دور لے جانے لگی۔ زہرہ نے مڑ کے دیکھا۔ وہ مسکرایا تھا۔ آنکھیں مزید گہری ہوگئیں۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا اور دیکھتا ہی رہتا، اگر درمیان میں رکاوٹ نہ آجاتی۔

''اکبر وسیر۔''

''اوئے، کیا کہہ رہا تھا اسے کاکا؟'' تند لہجہ، تنا ہوا چہرہ۔

''میری کیا مجال جی...... میں نے اپنا بازو چھدوانا ہے۔'' نرم لہجہ، پرسکون مسکراہٹ۔ اکبر جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا۔

☆❁☆

لٹھے دی چادر......

لٹھے دی چادر......

بھولا بسرا انداز، بھولی بسری مسکراہٹ، سب کا خیال تھا زہرہ ٹھیک ہو رہی ہے، مگر یہ صرف زہرہ جانتی تھی کہ اسے اس بند دہانے والے غار میں باہر کا رستہ مل گیا ہے۔ وہ مسکراتی جاتی اور گنگناتی جاتی۔

شام کا وقت تھا۔ کنواریاں والا کے ہر گھر میں ہانڈیوں کو بگھار لگائے جا رہے تھے۔ مرد اپنے کھیتوں میں آخری کام نپٹا رہے تھے اور زہرہ، شہباز وسیر گلی کے اس نکڑ پہ کھڑی تھی، وہ نکر جو باڑے سے سندھوؤں کے گھر کو مڑتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود بھٹہ ختم ہونے کو تھا۔ وہ باڑے سے آیا۔ اپنے دھیان میں مڑ گیا۔ گلی تقریباً سنسان پڑی تھی۔ کبھی کوئی بچہ اس کے قریب سے بھاگتا تو وہ چونک پڑتا۔ چھن، چھن، چھن یہ آواز مسلسل اس کے تعاقب میں تھی۔ وہ مسکراتا، مگر مڑ کے نہ دیکھتا۔ پھر اسے محسوس ہوا کہ چھنکار میں جھنجھلاہٹ در آئی ہو۔ وہ اپنی شال کو گردن کے گرد بل دے کے گلی کے درمیان میں رک گیا۔ مڑ کے دیکھا۔ وہ سٹپٹا گئی۔ ہاتھ مسلنے لگی۔

''کچھ کہنا تھا؟''

''نہیں۔'' زہرہ نے فوراً سے پہلے جواب دیا۔ جو کام وہ بہت آسان سمجھتی تھی 'وہ جان کو آگیا۔ وہ جھنجھلا کے مڑنے لگی۔ زراور نے جلدی میں اس کا ہاتھ تھاما۔

''ہاتھ چھوڑ، پتا ہے نا ہاتھ کاٹ دیتی ہوں۔''

''او...... ہاں...... ہاں۔'' زراور نے لمحہ ضائع کیے بنا ہاتھ چھوڑ دیا۔ زہرہ کھلکھلائی، زراور بے بس ہوا۔

''بات کرنی ہے تم سے۔'' جو وہ چاہتی تھی وہی ہوا۔

''یہاں نہیں۔ کل دن گیارہ بجے کنواری بی بی کے مزار پر......'' بات مکمل کر کے وہ کسی فاتح کی چال چلتی واپس مڑ گئی۔ بڑے حساب کتاب کیے تھے اس نے۔ ناکام ٹھہرتی تو روح دوسری سانس بھی برداشت نہ کرتی۔

☆❁☆

پہلی بار وہ کنواری بی بی کے مزار پہ ملے، دوسری بار زینو کے باڑے اور تیسرے بار امرودوں کے جھنڈ اور ان تین ملاقاتوں کے بعد زہرہ کو یقین ہوگیا کہ اس نے صحیح بندہ چنا ہے۔ وہ اس سے چار فٹ کے فاصلے پر بیٹھتا، بات کرتے ہوئے اس سے زیادہ دوسری چیزوں کو دیکھتا اور کوئی معیوب بات بھی نہ کرتا۔ تیسری ملاقات کے بعد وہ زینو کی طرف بھاگی۔

''میرا دل صحیح کہتا تھا زینو! پورے کنواریاں والا میں یہ ہی مرد کا بچہ ہے جو میرا سودا پورا کر سکتا ہے۔''

''دیکھ لے زہرہ! میرا دل بڑا ڈرتا ہے۔ یہ نہ ہووے 'وہ اپنا مطلب پورا کر کرا کے ادھر فوج میں واپس چلا جائے۔ پھر تو کیا کرے گی؟''

''تو وی جھلی ہے۔ مطلب پورا کرنے کا کیا وہ رج کے دیکھتا وی نہیں ہے مجھے، جب میں اس سے گل کرتی ہوں تے مجھے کوئی ڈر یا دھڑکا نہیں ہوتا اور یر جان دیتا ہے مجھ پہ۔ آج کہہ دوں نا کہ میرے گھر پیغام بھیج تو ابھی کے ابھی ہماری دہلیز پہ آ کے کھڑا ہو جائے۔''

''او گل تے ٹھیک ہے، پر جے او ہر گل سے کر گیا تو فیر......'' زینو ہراساں ہو رہی تھی۔

''تجھے کیا لگتا ہے مکرنے دوں گی اسے...... تو ں دیکھتی جا۔'' اور زینو واقعی دیکھنے لگی تھی۔ اس کا ہرہ جو مزید خوب صورت ہوتا جا رہا تھا۔

☆❁☆

''اک گل پوچھوں؟'' زہرہ کے استفہامیہ انداز پر زراور کچھ ٹھٹکا۔

''پوچھو۔'' اجازت دے کے وہ خود دوبارہ اس چمکتے امرود کی طرف متوجہ ہوگیا جو کب سے اس کے لیے ''کھٹا'' ثابت ہو رہا تھا۔ وہ پنجوں کے بل اوپر اٹھا، پھر ایک پتے سے ٹہنی اور ٹہنی سے امرود تک پہنچا۔ پکے نالے کے بہتے پانی سے ان چار امرودوں کو دھویا، پھر اپنے اور زہرہ کے درمیان سجاتے ہوئے ہمہ تن گوش ہوا۔

''تو میرے لیے کس حد تک جا سکتا ہے۔''

''کم از کم صوبہ سرحد تک تو جا ہی سکتا ہوں۔''

اس کے اتنے سنجیدہ جواب پہ زہرہ پہلے چپ سی رہ گئی، پھر سمجھ میں آنے پر چڑ گئی۔ وہ امرود کو ہتھیلیوں کے درمیان رکھ کے بھینچ رہا تھا۔ نرم کر کے اسے دو حصوں میں کیا اور خوب معائنہ کرنے کے بعد کھانے لگا۔ زہرہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

''چپ کیوں ہوگئیں؟''

''تیرے جواب نے مجھے ''لاسوال'' جو کر دیا ہے۔'' زراور کا قہقہہ بلند ہوا۔ امرود کے درخت پر موجود گھونسلوں میں ننھے پرندے جگہ بدلنے لگے۔

''جھلی ہے تو۔ کرنے والے کر جایا کرتے ہیں اپنی حدیں ناپتے، تخمینے لگاتے ہی نہیں رہ جاتے۔ تم لڑکیوں کو نہ جانے کیسی تسکین ملتی ہے ایسے سوالوں سے۔'' وہ دوسرا امرود کھانے لگا۔

''مطلب تو میرے لیے کچھ وی کر سکتا ہے۔''

اس نے ''کان'' کو دوسرے ہاتھ سے پکڑا۔ زراور اس کی ذہانت پر سر دھننے لگا۔

''بتا ناں؟''

''تجھے پتا ہے مجھ سے ایسی باتیں نہیں ہوتیں۔ ایسی مشکل باتیں نہ پوچھا کر، پوری ماسٹرنی لگتی ہے۔''

''صرف ہاں یا ناں ہی تو کہنا ہے سرکار نسی۔'' وہ بات لمبی ہوتی دیکھ کے گھبرانے لگی۔

www.urdugem.com

”چلو پوچھو۔“
”اچھا بتاؤ میرے لیے کسی بھی حد تک جائے گا؟“
”ہوں...... جاؤں گا۔“
”چاہے وہ حد کنواریاں والا سے باہر جاتی ہو؟“
”مطلب......؟“ یہ ایسا ”مطلب“ تھا جو اکثر سمجھنے کے باوجود نا سمجھی ظاہر کرتا ہے۔ وہ ہچکچائی۔
”مطلب تیری فوجی بستی میں...... ہماری شادی تو کبھی نہ ہو سکے گی۔“
وہ ڈرتے ڈرتے کہہ گئی۔ کچھ لمحوں کے لیے بول نہ سکا۔ زہرہ کا دل ایسے دھڑکا جیسے کسی قریب المرگ شخص کا دھڑکتا ہے۔ کبھی تیز، کبھی بالکل مدھم، اگر اس نے نا کہہ دی تو...... وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ زہرہ نے اس کی آنکھوں میں حساب کتاب کی تفصیل پڑھنی شروع کی۔
”نیلو صحیح کہتی ہے۔“ بالآخر بولا۔
”کیا......“ اب کیا بول دیا اس نیلو مرجانی نے۔
”بڑی زہریلی ہے تُو۔“ وہ ایک جملے میں سب کہہ گیا۔ زہرہ کا دل پہلی بار دھڑکا۔ اس کے حساب کتاب میں کچھ غلط ہونے جا رہا تھا۔
”وہ کیا تھا؟“
وہ زہرہ کی زراور سے محبت تھی۔ جو زہرہ کے لیے کبھی بھی شامل نصاب نہ رہی تھی۔ مگر محبت فضا میں موجود نمی جیسی ہوتی ہے۔ ہر شے پر اثر پذیری دکھاتی، اس کی ہستی بدلتی...... محبت چاہے نامحسوس سی ہی سہی۔

☆❁☆

اس رات ”کنواریاں والا“ پہ کہر قیامت سا پڑا تھا۔ ٹھنڈ ایسی تھی کہ چولہوں میں پڑی آگ ٹھٹھرتی اور راکھ ہوئے جاتی۔ اس برف کی سی رات میں زینب بشیر کے گھر کے پچھواڑے والے احاطے میں دو تاریک سائے دھاگوں سے الجھتے چلے جاتے۔

”دین کی گل نہ کر چاچا بشیر...... دین تے کہتا ہے کہ بیٹی کے جوان ہونے کے بعد چوتھا چاند بھی نہ دیکھو اور بیاہ دو اسے۔ اس ’کنواریاں والا‘ میں زندگی سے زیادہ ’مریدی‘ چلتی ہے۔“
وہ تھمی تھی۔ چاچا بشیر مرنجان مرنج تھا۔ بات کرتا تو لگتا منت کر رہا ہے۔ جانے کیوں زہرا شہباز وسیر نے سارے کنواریاں والا میں سے اسے ہی اپنا وکیل چنا تھا۔
”دیکھ میری گل سن چاچا...... جس طرح جب سیلاب گھر کی بیرونی دیواروں کو چھونے لگے تو اس گھر میں رہنا حماقت اور بے وقوفی ہے ناں...... اسی طرح جو روایات نسلوں کا نقشہ مسخ کرنے لگیں تو ان کی پیروی بھی حماقت اور خودکشی ہی ہے۔“
”پر زہرہ! میں وی بیٹیوں والا ہوں۔ شہباز کی عزت میری وی تے......“ وہ ممیائے تھے۔
”اسی عزت کے لیے تے کر رہی ہوں یہ سب چاچا جی......“ وہ لب چبائی اور پھر بولتی۔
”تسی حساب کرتے رہو چاچا بشیر...... ادھر گاؤں کی ہر لڑکی ہر دوسرے دن زینب دی طرح کہیں گر گر کر گال اور گردن کا گوشت گنواتی پھرے گی...... لڑکیوں کو اتنا نہ گراؤ چاچا جی۔“
لبالب بھری آنکھوں اور آواز سے بات مکمل ہوئی تو سارے گاؤں کے لیے سیدھے سادھے بشیر وسیر نے آنکھوں کو آخری حد تک پھیلا کے اس لڑکی کو سنا تھا۔ ’کنواریاں والا‘ کے گیدڑوں نے مل کر وہ بین ڈالے کہ قدرت کا ہر ساز بہرہ ہو گیا۔ دو جود ابھی بھی الجھتے جاتے تھے مگر بے آواز......!

☆❁☆

کنواریاں والا نے اسے کبھی نہ چھوڑا۔ وہ اس کے ساتھ ہی رہا ان بارہ دنوں میں بھی جو اس نے گوجرانوالہ میں گزارے تھے۔
’کنواریاں والا‘ میں قہر پھوٹ پڑا تھا پہلی بار کسی کنوار نے یہ قدم اٹھایا تھا۔ ارباز وسیر پاگل ہونے کو تھا۔ صبح ہوتی، شام آتی اور رات ڈھل جاتی‘

ارے مرد وسیروں کی عورتوں کو ادھیڑتے مگر کسی کو معلوم ہوتا تو ہی بتاتیں ناں۔ زینو کا منہ ہر روز سوجتا ہونٹ پھٹتے، بال جڑ سے اکھڑتے مگر وہ نہ بولتی بھی تو کیا...... وہ تو گئی ہی واپس لوٹنے کے لیے تھی۔
زراور ولد بیڈ پر بیٹھا تھا زہرہ چائے لائی وہ شکریہ کہہ کے پینے لگا...... وہ خالی کپ واپس رکھنے گئی۔ واپس آئی تو وہ سونے کے لیے لیٹ چکا تھا۔
”ایک بات پوچھوں؟“
”پوچھو۔“ کمال ظرف تھا اس شخص کا‘ وہ اس سوالوں کی مشین سے کبھی نہ اکتایا۔
”تمہیں میری سب سے خاص بات کیا لگتی ہے۔“
وہ اپنی نیند سے بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھول کر مسکرایا۔
”بس اس بات کا جواب دے دو۔ وعدہ کرتی ہوں آئندہ کسی بات کے لیے تنگ نہیں کروں گی۔“
وہ اپنی آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھا۔
”بس آخری دفعہ، یاد رکھنا آئندہ میں کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔“ وہ فقط سر ہلانے لگی۔ وہ ہلا، انداز پُرسوچ تھا۔
”ہوں...... تمہارا کردار“۔
زہرہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ گھر چھوڑنے کے بعد سے اسے لگتا تھا کہ شاید آئندہ وہ کبھی یہ جملہ نہ سن سکے۔ وہ مزید کہہ رہا تھا۔
”تمہارا اڈٹ جانا ہر اس چیز کے خلاف جو تمہاری راہ میں ذرا سا بھی بل پیدا کر دے اور...... تمہاری ’مسکراہٹ‘ میں شاید...... تمہیں کبھی نہ...... لکھوں...... یار ذہرہ! مجھے نیند آ رہی ہے باقی کی خصوصیات صبح...... ناراض مت ہونا۔“ دھندلائی آنکھوں سے وہ زہرہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ نیند میں بھی پریشان تھا وہ، اٹھنا چاہتا تھا مگر آنکھیں کھل ہی نہ پا رہی تھیں۔
زہرہ جی بھر کے رونے کے بعد اٹھی اور واش روم میں گئی۔ روشن دان میں پڑے ایک شاپر میں کچھ روپے اور سادہ کاغذ پر ایک تحریر درج تھی۔ وہ باہر آئی بیڈ کی جانب دیکھے بنا الماری سے سیاہ بڑی سی چادر نکالی۔ اوڑھ کے باہر نکلنے لگی۔ رُکی، مڑ کے دیکھا۔ پھر تیزی سے باہر نکلی۔
بادل پوری قوت سے گرج رہے تھے۔ بارش نے سب کچھ جل تھل کر رکھا تھا۔ زہرہ نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔
”ربا، تجھے سب سے پیاری چیز کی قربانی بڑی پسند ہے ناں میں نے دے دی قربانی۔ تو قبول کر لینا اب۔“ روتے ہوئے دل میں رب سے مخاطب تیز تیز چلنے لگی۔ ہوا اسے پیچھے کو دھکیلتی مگر وہ چلتی رہی پھر بھاگنے لگی۔ بھاگتی ہی رہی۔ بس اک جگہ رکی۔
”او پاء جی اے زہرہ اساں نوں (ہمیں) مل گئی ہے۔ میں مقبول بولتا ہوں۔ زہرہ دی خالہ کا بڑا بیٹا......“
یہ الفاظ بول کے فون رکھتے ہوئے اس پی سی او کے مالک نے اس لڑکی کو حیرانی سے دیکھا جو اسے اس کام کے پورے پانچ سو دے گئی تھی۔

☆❁☆

”اماں...... اماں!“
بلقیس دھاڑ سے دروازہ کھولتے ہوئے گھر میں داخل ہوئی۔ تاجاں نے دہل کر اسے دیکھا۔ ایک مدت بعد کنواریاں والا میں سرخ گھٹا چھائی تھی۔ تاجاں سوکھے تنکوں کو پودوں سے جھاڑ رہی تھی۔ ساری پھوپھیاں بھی دیکھنے لگیں۔
”وہ اماں! زہرہ...... زہرہ...... ادھر بڑے چوک میں......“
تاجاں اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی باہر کو دوڑی، چاچی اور پھوپھو بھی۔ فاطمہ نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا کیونکہ اماں اتنے دنوں سے اسے ایک ہی دعا سکھا رہی تھی۔
”دعا کر میری زہرہ کدی وی پکڑی نہ جائے۔

www.urdugem.com

جتنی سوہنی وہ خود ہے ناں اتنے ہی سوہنے نصیبوں والی بھی ہو۔ تو دعا کر فاطمہ وہ پکڑی نہ جائے۔''

بڑے چوک میں تماشا لگا تھا۔ گاؤں کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں کوئی ذی روح موجود ہو۔ جسے جہاں خبر ملی وہ ویسے ہی بھاگتا آیا۔ وسیروں کے سارے ''غیرت مند'' مرد زہرہ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔

تاجاں نے اسے دیکھتے ہی دل تھام لیا۔ وہ زہرہ تو نہ تھی۔ اس کا چہرہ بگڑ چکا تھا۔ وہ چل نہ رہی تھی رینگ رہی تھی۔ اکبر وسیر آگے بڑھا اور زہرہ کو بالوں سے گھسیٹتا مجمع میں لایا۔ اتنی بات تو زہرہ جان ہی چکی تھی کہ گاؤں میں کسی کو اس کے زراور کے ساتھ بھاگنے کا علم نہ ہوا تھا۔ ارباز نے اس کی پسلی پر لات رسید کی۔ زہرہ بلبلائی، تاجاں، مہربانو اس کی طرف بڑھیں، جنہیں ارباز نے بڑی تندی سے پیچھے دھکیل دیا۔ زہرہ نے ذرا کی ذرا سر اٹھا کے تاجاں کو دیکھا۔

''ہماری نسلوں کو بٹہ لگانے والی ڈائن ہے یہ۔ چھوڑوں گا نہیں میں اس......'' (گالی)۔ ارباز جو سانس لینے کو تھما تھا پھر سے شروع ہوا۔

''ہنہ نسلیں...... تیری قبر پر تو کوئی فاتحہ پڑھنے والا وی نہیں ہے۔ تو نسلوں کی بات کرتا چنگا نہیں لگتا۔''

منہ پر قفل ڈالے زہرہ نے بالآخر بات کی بھی تو کیا' ارباز کا ہتک کے مارے سرخ پڑتا چہرہ کف اڑانے لگا۔

''اپنے باپ، چاچا کا نام تباہ کرتی ہے کتیا...... اوپر سے بے نام ونشان ہونے کے طعنے بھی دیتی ہے۔''

''کون سے باپ، چاچا کی عزّت...... کہاں کی حرمت؟'' ارباز نے اس کے بال جکڑے مگر وہ بولتی رہی۔ ''اگر عزت کی حفاظت کرنے والے، خیال رکھنے والے باپ کی بیٹی 'ایسا' کرے تو لعنت ہے اس کے عورت ذات ہونے پر۔ مگر تجھ جیسے، لوگوں کی عزتوں کو گنے اور مکئی کی فصلوں میں روندنے والے شخص کی عزت پر تھوکتی ہے میرے جیسی عورت اور صرف میں ہی کیا اس گاؤں کی ہر کنواری بھاگے گی۔ انہیں بیویاں بنانے کے بجائے رکھیل بناؤ گے تو ایسے ہی تمہارے عزّت دار گھروں میں خاک ڈالیں گی وہ اب۔ کہاں گئی تمہاری کنواری بی بی کی دعا۔ میں تو سہاگن بن گئی نہ میرا گھر جلا نہ ہی اس گاؤں میں کوئی آفت اُتری......''

شہباز وسیر پہلی بار آگے بڑھا اور زہرہ پر ٹوٹ پڑا۔

''لے چلو اسے گھر، ایسی عبرت سکھائیں گے کہ اس گاؤں میں دوبارہ کوئی ایسی جرأت نہ کر سکے۔''

سارے مرد اسے گھسیٹنے لگے۔ گاؤں کی کئی عورتوں کی سسکیاں نکلیں۔ وہ اپنے دوپٹوں کو منہ میں دبائے رونے لگیں۔

''مجھے عبرت سکھانے سے وہ غلاظت کبھی ختم نہ ہوگی جو ہر کسی کے اندر بھر چکی ہے۔ نہ وہ جو آنکھیں بند کیے ہر ظلم کا شریک کار رہتا ہے۔ میں نے سیکھا ہے کہ جیسے پانی گھر کی بیرونی دیواروں کو چھُونے لگے تو گھر میں رہنا بے وقوفی ہے۔ ویسے ہی نسلوں کو مسخ کر دینے والے رواجوں کو ترک کر دینا لازم ہے۔''

لوگ ساکت سے اسے سن رہے تھے۔ ارباز اسے گھسیٹتا ہوا لے جارہا تھا۔ مجمع چھٹنے لگا تھا، دلوں میں کچھ اندیشے لیے......

☆❁☆

رات اپنی پوری سفاکی اور ہول ناکی کے ساتھ اتری۔ گاؤں میں اس رات......

''میں عزّت سے بیاہی گئی مگر یہ سلسلہ چلتا رہا تو لڑکیاں گھروں سے بھاگ کر بھی بیاہ کریں گی۔ کچھ فیصلے اور اختیارات قدرت کے ہاتھوں میں ہی اچھے لگتے ہیں۔''

وہ پٹتی جارہی تھی مگر بول رہی تھی۔ کنواریاں والا میں روز محشر سی خاموشی تھی صرف وسیروں کی خا...

...لیاں تھیں۔

بشیر وسیر ہاتھ میں درانتی لیے فصلوں سے دوڑا ...۔ کنواریاں والا کی زمین نے آج اس کے قدموں ... دھمک میں ایک نئی دھن سنی تھی۔ پھر اہل گاؤں کی ...عتیں بھی اس دھن کو پا گئیں۔

''اوچھڈو سب عزّت دارو...... چھڈو کڑی ......'' اس گرج پر سب حیران تو ہوئے مگر جے ...ہے۔

''او میں ہوں اس دے نکاح کا والی و ...بہان...... اپنے ہاتھوں سے دستخط کیے ہیں گواہوں ...کے خانے میں۔ پوچھو کیوں......؟'' چاچا بشیر پھولی ...سانسوں سے بول رہا تھا۔ جگرے سے ایڑیوں پر اٹھ ...کے...... درانتی لہرا کے بات کرتا تھا۔

''اوپچھو کیوں......؟ تین بیٹیوں کا باپ ہوں ...ں......'' آواز اور درانتی کانپی۔

''اوتم کیا جانو جب بیٹیاں گرتی ہیں تے کتنی ...تکلیف ہوتی ہے۔ پرناں...... تم بے غیرتوں نے ...انے کتنی بار اپنی بہنوں بیٹیوں کی مرہم پٹی کروائی ...مگر اس اینٹ کو نہ اکھاڑ سکے جس سے اٹک کے وہ ...گرتی رہیں۔ مگر میں نے...... میں نے ان رعشہ زدہ ...ہاتھوں سے اکھاڑ ڈالا اسے۔ اب کوئی بیٹی نہ گرے ...گی...... اب کوئی بیٹی نہ گرے گی......''

بشیر چاچا دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ بچپن ...سے جوانی اور پھر بڑھاپا...... جانے کتنے منظر تھے جو ...ایک جھوٹی کتھا کے سر ہوئے 'کنواریاں والا' کی ہر ...لرزدہ عورت نے خود کو سسکیاں بھرتے پایا۔ ارباز ...جیسے عقاب مرد کے الفاظ بھی برف ہوگئے۔

زمین پر بے جان بیٹھی زہرہ نے مسکرا کے سب ...تھا۔ آج اسے کنوریاں والا کا آسمان نیلا نظر ...... ورنہ وہ تو سیاہ تھا۔

☆❁☆

بشیر کے گھر میں ڈھولک کی آواز اٹھ رہی تھی کنواریاں والا کا دل شاد ہو رہا تھا۔ شدید ٹھنڈ میں ...بچے ہرے اور پیلے مہندی والے جوڑے پہنے، مہمانوں میں چھپن چھپائی کھیلتے پھرتے۔ زینو کی اماں بچوں سے بتاشے اور شکر پارے چھپاتی پھرتی۔ زینو کی پھپھیاں صحن میں چارپائیوں پر جہیز بچھائے، کپڑے ٹانکے جاتیں اور بھرجائی کی غیبتیں کیے جاتیں اور زنانے میں زینو اور زہرہ رضائی میں دبکی ہاتھوں کو مہندی سے سجا رہی تھیں۔

''ہائے زہرہ! اب ہم کب ملیں گے۔ تیرے ابا تے تم لوگوں کو شہر لے جارہے ہیں۔'' زہرہ مسکرائی۔

''ہاں ناں...... ابا کہتے ہیں نکیوں (چھوٹیوں) کو بڑی افسریں بنانا ہے۔ پڑھائی کی تو چھب ہی اور ہے' اصل تبدیلی تے سوچ سے آتی ہے اور سوچ تعلیم سے۔'' وہ متاثر کیے جاتی۔

''ہاں پر تیرا کیا ہوگا زہرہ...... پورا سال ہوگیا پر تیرا ڈھول سپاہی تے پکا ناراض ہی ہوگیا۔'' زہرہ پھر سے مسکرائی۔

''اچھا اک گل بتا بچی بچی...... اگر میں تیرے بیاہ پر ناں آتی...... الٹا خط لکھ کے کہتی کہ جا آج سے تو میرے لیے مرگئی تو تُو کیا کہتی؟''

''میری جان نکل جاتی اور پھر میں تیری جان وی لے لیتی۔'' زینو پٹاخ سے بولی۔

''اس سے بیاہ ہوا تھا میرا...... میں خط لکھ کے آگئی کہ لوجی...... آج سے سب ختم۔ مر نہ گیا ہوگا وہ' مرنے کا نہ سوچا ہوگا اس نے، دل سے انتظار ہے اس کا اور وہ آئے گا۔''

''زہرہ باجی فوجی پاء جی آگئے۔'' سکینہ نے چوکھٹ پر کھڑے کھڑے اطلاع دی اور وہ اگلے ہی پل ننگے پاؤں اسی چوکھٹ پر کھڑی تھی۔ وہ سامنے تھا اور دل...... وہ کہیں نہیں تھا۔ صرف دھڑکن کی آواز سنائی دیتی...... دھک، دھک، دھک......!

www.urd...m.com